پر بحث کرکے انسان کی اس عظیم الشان اور حیرت انگیز قوت وصلاحیت اور قوانین فطرت کی تسخیر و تصرف کا ذکر کیا گیا ہے جس کے مقابلہ میں موجودہ سائنسی ترقیاں ابھی بہت پیچھے ہیں، دونوں رسالے مختصر ہونے کے باوجود پُر مغز اور مفید ہیں۔

مزاجِ آب و گل ۔ مرتبہ جناب حسن شہیر صاحب، تقطیع خورد، کاغذ بہتر، کتابت وطباعت معمولی، صفحات ۲۲۴، قیمت ۷ے مجلد مع گردپوش، پتہ: گلستان آرٹ اکاڈمی، معرفت سید حبیب احمد سولی، بارہ بنکی۔

یہ منظوم کتاب جناب حسن شہیر کی فکر کا نتیجہ ہے، جس کو ناشر نے اردو شاعری کا ایک حیرت انگیز کارنامہ اور عالمی ادب کی تمام رعنائیوں کی حامل اور اردو ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی شاعری وغیرہ بتایا ہے، اور خود مصنف کا بیان ہے کہ "اس کتاب کے اوراق انسان کی محبت کی آگ میں جل رہے ہیں...... حق، انصاف اور مساوات کو پیدا کرنے کے لیے اس کتاب کے اوراق پیدا ہوئے ہیں۔" انھوں نے بورژوا طبقہ اور اردو ہندی شاعری کے تمام اصناف خصوصاً غزل کو ہدف طعن و ملامت بنایا ہے، اس کا نمونہ یہ ہے:

تاریخ ابھی تک راز ہے
تخلیق کے پاؤں کی آواز نہیں آتی
کانوں میں
گمنام اندھیرا چھایا ہوا ہے

ایک نظم بورژوا انسان اور اس کا فلسفہ آرٹ کے زیر عنوان:

تاج محل سے بیمار انسان کی رعونت ٹپکتی ہے
ظالم انسان کی محبت کی داستان یہ ہے

یہ نظم مشہور ترقی پسند شاعر ساحر لدھیانوی کی تاج محل پر مشہور نظم کا چربہ ہے، باقی شاعری کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے، تبصرہ نگار ان کی خوبیوں کے ادراک سے قاصر ہے۔

"ض"

جلد ۱۰۷ ۔ ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۷۱ء ۔ عدد ۲

مضامین

شذرات

افسوس ہے کہ گذشتہ مہینہ روش صدیقی نے دفعۃً انتقال کیا، مرحوم اپنے اوصاف اور خصوصیات میں منفرد تھے جس کی مثال اس دور کے شعرا میں کم ملے گی، وہ جس درجہ کے شاعر تھے، اسی درجہ کے انسان بھی تھے، ان کی موت سے ایک باکمال شاعر ہی نہیں بلکہ اخلاق و شرافت کا ایک پیکر اٹھ گیا، ان میں مشرقی تہذیب کی ساری خوبیاں اور وضعداریاں جمع تھیں، شاعری میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، وہ صاحب طرز شاعر تھے، سیکڑوں شعرا میں انکا کلام ممتاز نظر آتا تھا، وہ ان شعرا میں تھے جن سے شاعری کا بھرم اور وقار قائم تھا، ان کو نظم اور غزل دونوں میں یکساں قدرت حاصل تھی، انکی نظموں میں تغزل کی لطافت و رنگینی اور غزلوں میں تغزل کے کیف و سرور کے ساتھ نظم کا شکوہ و تجمل ہوتا تھا، انکی فارسی استعداد بہت اچھی تھی، اور اس کا سارا حسن ان کے کلام میں جلوہ گر تھا، ظاہری حسن کے ساتھ معنوی حیثیت سے اس میں بڑی بلندی اور پاکیزگی تھی، اور وہ ان من الشعر لحکمۃ وان من البیان لسحرا کا مصداق تھا، مذہب میں راسخ العقیدہ اور عملاً پابند مذہب مرد مومن تھے، اس سے ان کو دنیاوی نقصان بھی اٹھانا پڑا، مگر اس کی انھوں نے مطلق پروا نہ کی، ان کی شخصیت بڑی دل آویز تھی، بوٹا سا قد ہنستا ہوا شگفتہ و شاداب چہرہ اس پر اخلاص و محبت کی موجیں دل کو کھینچ لیتی تھیں، دارالمصنفین کے کارکنوں سے ان کو بڑا مخلصانہ تعلق تھا، جب اعظم گڈھ کے نواح میں آنا ہوتا تو ملنے کے لیے ضرور آتے تھے، ادھر ڈیڑھ دو سال سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، ایک دن دفعۃً ریڈیو نے ان کی مرگ ناگہانی کی خبر سنائی، اس کو سنکر سکتہ سا ہوگیا، مگر موت تو اپنے وقت ہی پر آتی ہے، اذا جاء اجلہم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔ اللہ تعالیٰ اس مرد مومن شاعر کو اپنے

خاص لطف وکرم سے سرفراز فرمائے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

موجودہ الیکشن کے بارہ میں ہم گذشتہ مہینہ اپنے خیالات ظاہر کر چکے ہیں، اب اسکی تاریخیں بالکل قریب آگئی ہیں، اس الیکشن کی حیثیت گذشتہ الیکشنوں سے بہت مختلف ہے، اس کے نتائج پورے ملک خصوصاً مسلمانوں کے حق میں بڑے دور رس نکلیں گے جس کا احساس ان کو بھی ہے، اسی لئے انکا عام رجحان نئی کانگریس کی طرف ہے، لیکن بعض مسلم تنظیموں نے بھی اپنے امیدوار کھڑے کیے ہیں، پرانی کانگریس سے مسلمانوں کی شکایتیں بالکل بجا ہیں، اس الیکشن میں اگر اسکا مقابلہ ہوتا تو مسلمان تنظیموں کا اپنے امیدوار کھڑے کرنا اگرچہ بے نتیجہ ہوتا لیکن حق بجانب ہوتا لیکن اب پرانی کانگریس ختم ہو چکی ہے، اور اس الیکشن میں جمہوری سیکولر ترقی پسند نئی کانگریس اور اس کی مخالف پارٹیوں کے متحدہ محاذ کا مقابلہ ہے یعنی یہ الیکشن درحقیقت جمہوریت سیکولرزم ترقی پسندی اور فرقہ پروری اور رجعت پسندی کے درمیان جنگ ہے، ان دونوں کے فتح و شکست کے جو نتائج پورے ملک خصوصاً مسلمانوں کے حق میں نکلیں گے وہ ظاہر ہیں، یہ بھی مسلّم ہے کہ مسلمان تنظیموں کا کوئی امیدوار یا آزاد مسلمان تنہا مسلمانوں کے ووٹ سے کامیاب نہیں ہو سکتا، اس لیے اس کی حمایت میں جو ووٹ بھی دیا جائے گا اس سے اس کو تو کوئی فائدہ نہ ہوگا، البتہ نئی کانگریس کے امیدوار کو نقصان پہنچ جائے گا، اور اس کا فائدہ اس کی مخالف پارٹیوں کو پہنچے گا، اسی لیے وہ پارٹیاں جو مسلمان تنظیموں کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتی تھیں ان کے امیدواروں کی حمایت کر رہی ہیں۔

بہت سے حلقوں میں اس وقت مسلمانوں کو فیصلہ کن قوت حیثیت حاصل ہوگئی ہے، اس سے وہ پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اگر اس موقع کو انھوں نے ضائع کر دیا تو اس کی تلافی مدتوں نہ ہو سکے گی، اس لیے مسلمانوں کو اپنا ووٹ بہت سوچ سمجھکر استعمال کرنا چاہیے، اگر مسلمان تنظیموں کے دو چار امیدوار

یا آزاد مسلمان کسی طرح کامیاب بھی ہو گئے تو انکی آواز کا کیا اثر ہو سکتا ہے، ان کو بہر حال کسی نہ کسی پارٹی کا ساتھ دینا پڑیگا، اور وہ نئی کانگریس ہی ہو سکتی ہے، اس لیے پہلے ہی سے اس کو تقویت پہنچانا زیادہ مفید ہوگا، اس سے کانگریس پر مسلمانوں کا اثر قائم ہو گا، صوبوں میں مخلوط حکومتوں کا پورا تجربہ ہو چکا ہے، اسکے نتائج سب کی نگاہ کے سامنے ہیں، اگر یہی صورت مرکز میں بھی پیدا ہو گئی تو پورا ملک انتشار اور بدنظمی کا شکار ہوگا، خاص طور سے مسلمانوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اس کا اندازہ دشوار نہیں ہے، اس لیے اس وقت مسلمانوں کو جو موقع ملا ہے اس سے ان کو پورا فائدہ اٹھانا چاہیے، اور اپنی پوری قوت نئی کانگریس کی حمایت میں صرف کر دینی چاہیے، اور یہ باعثِ اطمینان ہے کہ مسلمانوں کا عام رجحان نئی کانگریس کی طرف ہے، اور ان کا وہ طبقہ اور عاقبت اندیش مسلمان تنظیمیں بھی جو پرانی کانگریس کی مخالف تھیں، نئی کانگریس کی حمایت میں ہیں، اسلیے یقین ہے کہ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت نئی کانگریس کا ساتھ دیگی۔

فرقہ وارانہ منافرت روکنے والی دفعہ کی زد میں سب سے زیادہ مسلمان اخبارات آئے ہیں، اور اسکے ماتحت متعدد اردو اخبارات پر مقدمات چل رہے ہیں، ان میں الجمعیۃ بھی ہے، اسکے فاضل اڈیٹر مولانا محمد عثمان فارقلیط کو سزا ہو گئی ہے، اور ان کے جیسے ضعیف العمر اور محترم شخصیت کو سی کلاس دیا گیا، جو ادنیٰ درجہ کے مجرموں کے لیے ہے، گو مولانا ضمانت پر رہا ہو گئے ہیں، اور اس فیصلہ کی اپیل ہو گئی ہے، مگر اس سے اس دفعہ کے اصل نشانہ کا اندازہ ہو جاتا ہے، اس کے مقابلہ میں فرقہ پرور پارٹیوں کے اخبارات مسلمانوں کی ہر طرح کی دل آزاری کرتے رہتے ہیں اور ان سے کوئی باز پرس نہیں، مولانا فارقلیط اگرچہ بہت ضعیف ہو چکے ہیں، لیکن ان کی ہمت اور ان کا قلم جوان ہے، اور انکی پوری زندگی قلمی جہاد میں گذری، اس لیے مجاہدینِ ملت کی اس سنت سے کیوں محروم رہتے، اللہ تعالیٰ ان کو اس امتحان میں استقامت اور اس کا اجر عطا فرمائے۔

مقالات

بانی درسِ نظامی ملا نظام الدین محمد فرنگی محلیؒ

(۸)

جناب مفتی محمد رضا صاحب انصاری فرنگی محلی استاد شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ملا صاحب کی زندگی کے آخری ۳۰۔۳۱ سال کی حالت کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ وہ وظیفہ اور جاگیر ضبط ہو گئی تھی، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے برہان الملک اور صفدر جنگ کی معافیاں اور گزارے ضبط کرنے کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ملا نظام الدین فرنگی محلی کی حد تک صحیح نہیں ہے، عام طور پر تو علامہ آزاد بلگرامی کا مذکورۂ بالا دعویٰ حرف بحرف صحیح سمجھا گیا ہے اور اس دعوے کی بنیاد پر بڑی بڑی تاریخی عمارتیں مورخوں نے بنالی ہیں، علامہ کا دعویٰ قصبۂ بلگرام کی معافیوں اور گزاروں کے بارے میں تو صحیح ہے، اس لیے کہ اس قصبے کے معززین اور معافی داروں سے اور برہان الملک سے کبھی نہیں بنی، اور ان کے گزارے بلاشبہ ضبط ہو گئے، جس کی جرأت مندانہ فریاد بادشاہ دہلی تک گئی اور وہاں سے بحالی کے احکام بھی نافذ ہوئے، یہ تفصیل تاریخ خطۂ پاک بلگرام مؤلفہ جناب شریف الحسن بلگرامی کے صفحات ۱۴۲ ۔ ۱۹۵ میں دیکھی جا سکتی ہے، لیکن علامہ آزاد نے برہان الملک اور صفدر جنگ کے دورِ حکومت کے سلسلے میں جو عام فیصلہ دیدیا، وہ درست نہیں ہے۔

جہاں تک علمائے فرنگی محل کا معاملہ ہے، ملا نظام الدین اور ان کے برادر زادگان ملا احمد عبد الحق

اور ملا عبد العزیز کے گزارے اور معافیوں کے بارے میں برہان الملک اور صفدر جنگ کے پروانے ابتک موجود ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ضبطی کی زد میں نہیں آئے۔

برہان الملک کے زمانے کا پروانہ ملا صاحب کے برادر زادگان سے متعلق ہے جو حسب ذیل ہے:-

"پروانہ از مہر نواب برہان الملک بہادر از قرار بتاریخ بست و سوم شہر شعبان سنہ ۱۱ مطابق سنہ یک ہزار و یک صد و چہل و یک ہجری (۱۱۴۱ھ) بنام عزت و اخلاص درگاہ گلاب رائے در حفظ الٰہی باشند وکیل فرزندان شیخ محمد سعید پسر ملا قطب الدین شہید سہالوی التماس نمودہ کہ سابق بملاحظہ فرمان عہد مبارک پروانہ عدم مزاحمت موضع سیام پور ندوہ عملہ پرگنہ حویلی بہرائچ بوجہ مدد معاش موکلان بنام کمر مال (کذا) از سرکار حاصل نمودہ الحال آں اخلاص درگاہ پروانہ مجدد می خواہد در (کذا) نوشتہ شود۔ لہذا قلمی می گردد کہ بر طبق فرمان معلی و پروانہ سرکار بعمل آوردہ نسط (کذا) قبض و تصرف مزاحم و متعرض نبودہ واگزارند۔"

یہ پروانہ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے گیارہویں سنہ جلوس یعنی ۱۱۴۱ھ میں جاری ہوا، جس پر خادم شرع مصطفےٰ قاضی (نام پڑھا نہیں جاتا) کی مہر ہے، اور مہر کے نیچے "مطابق باصلہ" لکھا ہوا ہے۔

اسی موضع سیام پور ندوہ پرگنہ حویلی بہرائچ کے سلسلے میں جو ملا احمد عبد الحق اور ملا عبد العزیز فرزندان ملا محمد سعید پسر ملا قطب الدین شہید سہالوی کے گزارے میں تھا، دو پروانے نواب ابو المنصور خاں بہادر صفدر جنگ کی مہر سے شیخ عبد اللہ اور اسمٰعیل خاں کے نام ہیں۔ دونوں کا مضمون تقریباً وہی ہے، جو برہان الملک کے پروانے کا ہے۔ ایک کے اجراء کی تاریخ "ہیجدہم جمادی الاول سنہ ۲۰ مطابق ۱۱۵۰ھ" ہے اور دوسرے کی تاریخ اجراء "ششم رمضان المبارک سنہ ۲۳ مطابق ۱۱۵۴ھ"۔ دوسرے پروانے کی مہر پڑھی جاتی ہے، "خادم شرع احمد مقبول قاضی سید غلام رسول"

ملا نظام الدین کے دو روپیہ یومیہ سے متعلق برہان الملک کا تو کوئی پروانہ نہیں ملتا، لیکن ان کے جانشین نواب صفدر جنگ کے پروانے کی نقل "خادم شرع قاضی حبیب اللہ" کی مہر کے ساتھ موجود ہے، جس کی عبارت حسب ذیل ہے:-

"پروانہ از مہر نواب ابو المنصور خاں بہادر صفدر جنگ از قرار بتاریخ بست و ہشتم شہر ذی حجہ سنہ ۶۵ (جلوس کا سنہ ہے) برادر مہربان من! وکیل حقائق و معارف آگاہ جامع العلوم مولوی نظام الدین التماس نمودہ کہ دو روپیہ یومیہ بلا قصور بنام متعلقان مشار الیہ از تحصیل مال پرگنہ حویلی لکھنؤ مقرر است و تا حال یافتہ آمدہ اند، درینولا آں برادر پروانہ مجدد بنام خود می خواہند دریں باب نوشتہ شود بنا براں نگارش می رود کہ وجہ مذکور را موافق معمول رسید سابق سرکار از محال قدیم می دادہ باشند و ہر سال پروانہ جدید نطلبند۔"

نواب صفدر جنگ کے نائب راجہ نول رائے جو اپنے منیب کی عدم موجودگی میں حکومت اودھ کے سیاہ و سپید کے مالک رہتے تھے، وہ بھی علمائے فرنگی محل کی مدد معاش اور معافیوں سے کبھی متعرض نہیں ہوئے۔ ان کے زمانے میں "حویلی فرنگی" سے متعلق ایک اراضی کا تصفیہ بھی اٹھا تھا، جس کے سلسلے میں "فرزندان مولوی قطب الدین شہید" کے وکیل نے راجہ نول رائے کی عدالت میں استغاثہ بھی کیا تھا، استغاثہ کے الفاظ یہ ہیں:-

"مہاراجہ سلامت۔ رافعہ نامی قدرے زمین متصل حویلی فرنگی بدست شیر بیگ و جان بیگ فروخت و امر وہاں کہ شفیع مستقیم ہر چند کہ دعوی شفعہ نمودیم اثر نکردہ لاچار شدہ بجناب عالی عرضی کردیم دستخط خاص مزین شد کہ اول حق شفعہ بگیرد اگر جواب بہر دیگرے بگیرد شیر بیگ وغیرہ بر دستخط خاص عمل نکردہ بزور می گیرد، امید وار فضل و کرم است کہ سزاول از سرکار متعین شود یا بنام شیخ دوست محمد امر شود کہ

زمین از شیر بیگ برآوردہ حوالہ مردمان نماید و حق بحقداران کہ شفیع اند برساند
عرضی وکیل فرزندان مولوی قطب الدین شہید ۔"

اس عرضی پر کوئی مہر بھی نہیں ہے اور تاریخ بھی نہیں ہے، لیکن اس عرضی پر نائب صوبہ مہاراجہ نول رائے نے جو حکم دیا ہے، اس سے تاریخ وغیرہ معلوم ہو جاتی ہے۔ نائب صوبہ مہاراجہ کے حکم کی نقل "مطابق باصلہ" خادم شرع محمد تقی الدین کی مہر کے ساتھ موجود ہے، مہر پر "۱۱۵۳ھ" کندہ ہے، بیچ میں "محمد تقی الدین خادم شرع" کا نام ہے، اور نام کو احاطہ کیے ہوئے حلقے میں یہ عبارت ہے: قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔ فقل الحق والا فاسکت۔

آراضی متصل حویلی فرنگی کے سلسلے میں نائب صوبہ مہاراجہ نول رائے کی مہر سے حسب ذیل حکم صادر ہوا:-

"از قرار تاریخ بست و دوم ربیع الاول ۲۶ سنہ مطابق ۱۱۵۶ھ آنکہ متصدیان مہمات حال و استقبال حویلی لکھنو بدانند حویلی فرنگی مع الکنہ و زمین متعلقہ محدودہ طرف مشرق بکوچۂ نافذہ کہ داخل بیت المال بود حضرت خلد مکان (یعنی اورنگزیب) برائے بودن حقائق و معارف آگاہ جامع العلوم مولوی نظام الدین و دیگر فرزندان مولوی قطب الدین شہید مرحمت فرمودند در نیولا رافعہ نامی باغوائے بعض دعویٰ زمین متعلقہ آں نمودہ لہذا نگارش میرود کہ دعوی او بے حساب و باطل است زمین مذکور بدستور بفرزندان مولوی قطب الدین شہید بحال و برقرار داشتہ واحدے مزاحم، متعرض نگردد۔"

استغاثہ یہ تھا کہ رافعہ نامی شخص نے جو زمین "متصل حویلی فرنگی" شیر بیگ وغیرہ کے ہاتھ بیچ ڈالی ہے، اس پر حق شفعہ فرزندان ملا قطب شہید کا ہے۔ لہذا حق شفعہ کے تحت یہ زمین فرزندان ملا

قطب الدین شہید کے ہاتھ پہلے فروخت کی جائے اگر وہ لینے سے انکار کریں تو دوسرے کے ہاتھ فروخت کی جا سکتی ہے، اس استغاثے پر یہی حکم ہوا کہ پہلے فرزندان ملا قطب شہید کو خریداری کا موقعہ دیا جائے" مگر رافعہ نامی نے یا نئے خریدار شیر بیگ وغیرہ نے اس حکم کی پروا نہ کی، حالانکہ وہ "دستخط خاص سے مزین" تھا، یعنی مہاراجہ نول رائے نائب صوبہ کے دستخط سے جاری ہوا تھا، فرزندان ملا قطب کے وکیل نے دوبارہ عرضی دی کہ شیر بیگ وغیرہ حکم پر عمل نہیں کر رہے ہیں، اور زبردستی زمین پر قبضہ کر لیا ہے"۔

نائب صوبہ نے دوبارہ جو حکم دیا وہ یہ کہ "حویلی فرنگی مع مکانات و زمین متعلقہ" بکوچۂ نافذہ خلد مکان اورنگ زیب نے ملا نظام الدین اور دیگر فرزندان ملا قطب الدین شہید کو دینے کیلئے مرحمت کی تھی، رافعہ نامی نے جو دعویٰ کیا ہے کہ زمین اس کی ہے (اور اسے دوسروں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا ہے) یہ سب دوسروں کے اکسانے سے کیا ہے، رافعہ کا دعویٰ باطل اور بے وزن ہے، زمین مذکور ملا قطب الدین کے فرزندوں کے نام بحال کی جائے اور کسی شخص کو اس سے مزاحم نہ ہونے دیا جائے۔

آراضی کا یہ معاملہ ملا نظام الدین کی عمر کے آخری دور میں پیش آیا، یعنی ان کی وفات سے پورے چار سال قبل، یہ اودھ میں صفدر جنگ کی وزارت کا اور دلی میں محمد شاہ بادشاہ کی حکومت کا زمانہ تھا، اور صفدر جنگ ہی کے زمانۂ وزارت میں ملا نظام الدین کا انتقال ہوا، دلی کا بادشاہ محمد شاہ، ملا صاحب کی وفات سے صرف دو ہفتہ قبل سفر آخرت پر روانہ ہو چکا تھا، صفدر جنگ کے نائب مہاراجہ نول رائے نے ملا نظام الدین کے شاگرد اور پوتے (منجھلے بھائی کے حقیقی پوتے) ملا محمد یعقوب ابن ملا عبد العزیز کو مفتی شہر کی خدمت پر مامور کیا تھا، اور یہ ملا صاحب کی حیات کا ہی زمانہ تھا،

ایک قدیم تحریر اور دستیاب ہوئی ہے جس کی مہر صاف نہیں ہے، صرف "خدایار" کے

مٹے مٹے الفاظ پڑھنے میں آتے ہیں، جو ملا نظام الدین کے مدد معاش سے بالواسطہ تعلق رکھتی ہے: یہ ایک خط ہے جو "خدا یار" نامی افسر نے بھلول (گڑھی بھلول) کے تعلقداروں کے نام لکھا ہے اور ان کو تنبیہ کی ہے کہ ملا نظام الدین کے "ایمہ" سے فراحمت نہ کریں۔ خط کا متن اس طرح ہے:

"زبدۃ الاقران چودھری ملک جانسی وغیرہ تعلقدار بھلول معلوم نمایند

چوں پروانہ واگزاشت ایمۂ مولوی نظام الدین ..... آراضی موضع محمد پور وغیرہ از حضور رسید و قبولیت شمایاں بالمقطع ہفتدہ ہزار روپیہ خالصہ مع محمد پور بدفتر رسید و معاملت سابق کہ از زر بقایا نمودہ قبولیت گرفتہ بود بحال نمایند و بیر مچلکہ شمایاں حاضراست کہ ما یاں از ایمہ مزاحمت نخواہیم رسانید ظاہرا آں زبدۃ الاقران از ایمۂ مولوی مزاحمت می رسانند مناسب ندارد و بیجا می نماید، اگر جہت خود پیش دیگرے پیش رفت بود پس ہم چنیں گفتن وجہت پوچ نمودن خوب نیست زینہار مزاحمت ایمۂ مولوی نکنند محصول موضع مسطور را حوالۂ مولوی مذکور نمایند و دریں باب تاکید بلیغ دانستہ حسب المسطور بعمل آرند و قبولیت موضع محمد پور کہ سابق داخل شدہ بود حوالہ آں زبدۃ الاقران شدہ واضح باد۔"

صاف عیاں ہے کہ موضع محمد پور وغیرہ میں ملا نظام الدین فرنگی محلی کا "ایمہ" تھا یعنی معافی تھی جس کا سالیانہ ملا صاحب کو ملنا چاہئے تھا، گڑھی بھلول کے تعلقداروں کی طرف سے فراحمت ہوتی تھی، یہ معاملہ حکام بالا کے علم میں آیا تو انھوں نے تعلقداران بھلول کو سرزنش کی اور ان سے مچلکے لیے کہ آیندہ ایسا نہ ہوگا۔ مچلکے کے بعد بھی فراحمت ہوتی رہی، جس کی شکایت حکام بالا تک پہنچی تو یہ تنبیہ کا خط بھیجا گیا کہ "یہ حرکت مناسب نہیں سراسر بیجا ہے"، اس حرکت کے جواز میں تعلقداروں کی طرف سے جو دلائل دیے گئے ان کو تنبیہی خط میں "پوچ دلیل" قرار دیکر متنبہ

کیا گیا ہے کہ "یہ ڈھنگ نازیبا ہے"۔ اس کے بعد آگاہی دی گئی ہے کہ "ملا نظام الدین کے ایمہ (گزارہ معافی) سے فراحمت ہرگز نہ کی جائے اور موضع مذکور کی آمدنی ملا صاحب کے حوالے کیجائے"۔

"ایمہ" مغل بادشاہوں کے زمانے میں اس گزارہ کا نام تھا جو عالموں اور درویشوں کو دیا جاتا تھا، بہر حال ملا نظام الدین کا موضع محمد پور میں ایمہ تھا، قصبۂ دیوی میں ایک سو بارہ بیگھہ آراضی کی معافی تھی، اور پہلے ایک روپیہ یومیہ پھر دو روپیے یومیہ کا روزینہ تھا، یہ سب قدیم فرامین اور پروانہ جات سے معلوم ہوا ہے، جو خراب وخستہ حالت میں اب بھی موجود ہیں، اور اس وقت جانشین مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ، برادر محترم مولانا محمد میاں صاحب کی ملکیت میں ہیں،

ملا صاحب کی یہ تمام آمدنی "خرچ واخراجات طلبہ و واردو صادر و وابستہا" یعنی طلبہ، آنے جانے والے اور اہل وعیال کی خبرگیری، قیام وطعام وغیرہ کے لیے تھی،

یہاں یہ وضاحت بھی بے موقع نہ ہوگی کہ اسی طرح کی مدد معاش اور روزینہ وغیرہ ملا نظام الدین کے دوسرے بھائی بھتیجوں کے لیے بھی جداگانہ طور پر مقرر تھی، جیسا کہ اس وقت تک موجود بعض فرامین اور پروانہ جات سے ظاہر ہوتا ہے، ملا نظام الدین کے منجھلے بڑے بھائی ملا محمد سعید کے دونوں صاحبزادوں ملا احمد عبد الحق اور ملا عبد العزیز کے نام "موضع شیام پور نرونہ" پرگنہ حویلی بہرائچ" کا ایک پروانہ ہے، جس پر ہاشم خاں فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی کی مہر بہت صاف ہے، دوسری مہر پڑھی نہیں جاتی ہے، صرف "نعمت خاں" فدوے صاف ہے "در وجہ مدد معاش جامع الفضل والکمال شیخ احمد عبد الحق و شیخ عبد العزیز پسران فضائل وکمالات مرتبت شیخ محمد سعید مرحوم ولد قدوۃ العارفین زبدۃ السالکین ملا قطب الدین شہید" مقرر کیا گیا تھا، اور پروانے میں ضلع حکام کو ہدایت کی گئی تھی:-

"نظر بر استحقاق مشار الیہا ظلمی می گردد کہ موضع مسطورہ را بدستور سابق حسب الضمن
در وجہ مدد معیشت موی الیہا واگزاشتہ بوجہے من الوجوہ مزاحم نشوند کہ حاصلات
آنرا فصل بفصل سال بسال صرف مایحتاج نمودہ بدعائے دولت ابد مدت مواظبت
می نمودہ باشند۔"

اسی طرح ملا نظام الدین کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا کے لیے "خزانۂ عامرہ سرکار لکھنو صوبہ اودھ"
کے گماشتوں اور متصدیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ:۔

"بموجب فرمان والاشان بندگان حضرت بادشاہ زمین و زمان خلیفہ معدلت نشان
ذریعۂ امن و امان وسیلۂ آرائش عالمیان ظل ظلیل ایزد متعال ..... مظہر اتم پروردگار
رحمت اعم آفریدگار ربانی سبحانی جہاں بانی ..... مرقوم دہم شہر رجب المرجب ۲ھ
یک روپیہ بلا قصور ..... معاف یومیہ از خزانۂ عامرہ مذکور از غرۂ صفر ۳ھ
در وجہ مدد معاش ملا محمد رضا ولد ملا قطب الدین شہید حسب الضمن مقرر گشتہ۔ باید کہ
مطابق فرمان والاشان بعمل آوردہ یومیہ مسطور را بادمی رسانیدہ باشند کہ آن را صرف معیشت
نمودہ بدعائے دولت ابد طراز اشتغال نماید و اگر در محل دیگر چیزے نوشتہ باشد
آن را اعتبار نہ کنند۔"

اس پروانہ پر دو مہریں ہیں، ایک "معظم خاں خان خاناں ظفر جنگ یار وفادار فدوی
شاہ عالم بادشاہ غازی" اور دوسری "آصف الدولہ بندۂ شاہ عالم بادشاہ غازی" کی، پھر
اسی حکم کی تجدید ایک دوسرے پروانے کے ذریعہ عہد فرخ سیر میں ہوئی جس پر "قطب الملک یمین الدولہ
سید عبداللہ خاں بہادر ظفر جنگ سپہ سالار یار وفادار فدوی محمد فرخ سیر بادشاہ غازی" کی صاف
مہر ہے، اس مہر پر ۱۱۲۵ھ کندہ ہے۔

اسی طرح ملا نظام الدین کے سب سے بڑے بھائی ملا محمد اسعد کے لیے "پرگنہ سہالی من اعمال
سرکار لکھنو مضافات صوبۂ اودھ" کے حکام و چودھریان و قانون گویان کو ہدایت کی گئی تھی،
کہ "مبلغ پنجاہ و یک ہزار دام از پرگنہ مذکورہ ..... بجاگیر شیخ محمد اسعد ولد شیخ قطب الدین
مقرر گشتہ"۔ اس پروانے پر "امیر الامراء بندۂ عالمگیر بادشاہ غازی" کی مہر ہے اور تاریخ تحریر
۲۷، ربیع الآخر ۵۰ھ ہے (یعنی عالمگیر کی تخت نشینی کے پچاسویں سال، گویا اس کے بالکل
آخری زمانے میں یہ فرمان ہوا تھا)۔ پھر اسی فرمان کی تجدید "آصف الدولہ بندۂ شاہ عالم
بادشاہ غازی" کی مہر سے اور "خان خاناں بہادر ظفر جنگ فدوی شاہ عالم بادشاہ غازی"
کی مہر سے ہوئی۔

ان موجودہ قدیم فرمانوں اور پروانوں میں بعض ایسی دستاویزیں ہیں جن پر خود بادشاہ وقت
کی مہر ہے، بعض پر وزرائے سلطنت کی اور بعض تحریریں ایسی ہیں جن پر بادشاہ یا وزراء میں سے
کسی کی مہریں نہیں ہیں، جیسے مفتی شرع محمد غوث کی مہر والا پروانہ، اس سلسلے میں یہ جان لینا ضروری
ہے کہ عہد مغلیہ میں احکام جاری کرنے کے مختلف مراحل تھے، روزانہ دربار میں، جبکہ بادشاہ کے
سامنے وزرائے مملکت بھی حاضر ہوتے تھے، بادشاہ کی طرف سے جو احکام صادر ہوتے یا جو واقعہ
پیش آتا، ان سب باتوں کو دربار میں موجود "واقعہ نویس" لکھ لیتا، اس کو "روزنامچہ" کہتے تھے
جو اعلیٰ امراء میں، اس امیر کی نگرانی میں لکھا جاتا تھا جس کی اس دن ڈیوٹی ہوتی تھی، متعدد واقعہ
نویس دربار میں لازم ہوتے تھے، جن میں سے دو کی حاضری روزانہ ضروری ہوتی تھی، دن بھر کا
روزنامچہ، جس امیر کی نگرانی میں واقعہ نویسوں نے لکھا ہوتا شام کو وہی امیر اسے بادشاہ کے
سامنے پیش کرکے اس کی منظوری حاصل کر لیتا تھا، بادشاہ کی منظوری کے بعد یہ روزنامچہ
منشیوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا، جو ہر حکم اور ہر اطلاع کی ایک ایک نقل تیار کر کے اس پر اپنے دستخط

بھی ثبت کر دیتے تھے، اس پر پروانچی (پروانچہ لکھنے والا یعنی ایسا حکم جس پر شاہی مہر کی ضرورت نہ ہوتی تھی) میر عرض (وہ عہدیدار جو عرض داشتوں سے متعلق امور کی انجام دہی کا ذمہ دار ہوتا تھا) اور اس امیر کے بھی دستخط ہوتے تھے جو پہلے یہ روزنامچہ بادشاہ کے سامنے پیش کر چکا ہوتا تھا، تیار شدہ نقل "یادداشت" کہلاتی تھی، عام حالات میں اس طرح دفتری کارروائی مکمل ہو جاتی تھی، لیکن تقررات اور عطائے جاگیر کے سلسلے میں کچھ مراحل اور طے کیے جاتے تھے، یعنی "یادداشت" کے بعد منشیوں سے وابستہ نقل نویس، اسی کا خلاصہ تیار کرتے تھے، اس خلاصے پر واقعہ نویس رسالہ دار (وہی امیر جس کی نگرانی میں واقعہ نویس نے دربار میں روزنامچہ قلم بند کیا تھا) میر عرض اور داروغہ (مہتمم دربار) کے دستخط ہوتے تھے، یادداشت دفتر میں محفوظ رکھی جاتی تھی، اور خلاصہ متعلقہ اشخاص کے حوالے کر دیا جاتا تھا، اس طرح تیار کیا ہوا خلاصہ "تعلیقہ" کہلاتا تھا، اس کے تیار کرنے والے کو تعلیقہ نویس کہتے تھے، تعلیقے پر وزرائے سلطنت کے دستخط ثبت ہوتے اور ان کی مہر لگتی تھی، تعلیقے پر شاہی مہر لگانا ضروری نہ تھا، جن احکام پر شاہی مہر ضروری ہوتی تھی اُن میں اہم عہدوں پر تقررات کے احکام یا کسی شہزادے کے اتالیق کا تقرر اور کسی منصب کا عطیہ وغیرہ شامل ہیں، فوجی خدمت کی شرط کے ساتھ یا اس کے بغیر عطائے جاگیرات پر شاہی مہر ضروری ہوتی تھی، اسی طرح "عطائے سیُورغال" یعنی رفاہی اغراض اور روزمرہ کی ضروریات کے لیے عطیات کے احکام پر بھی شاہی مہر ضروری تھی،

عطائے جاگیر کا تعلیقہ تیار کر کے دیوان جاگیر کے پاس بھیجا جاتا تھا، جس پر جاگیر سے متعلق حسابات لکھنے کی ذمہ داری ہوتی تھی، اگر یہ جاگیر فوجی خدمت کے لیے دی جاتی تو تعلیقہ جانچ پڑتال کے لیے بخشی کے پاس (گویا وزیر دفاع) بھیج دیا جاتا تھا، جو ان شرائط کی تعمیل کا ذمہ دار ہوتا تھا، جو کسی جاگیر سے متعلق ہوتی تھی، بخشی تعلیقے کو اپنے پاس رکھ لیتا، اور ایک تصدیق نامہ جاری کرتا تھا،

جسے سر خط کہتے تھے، جس پر بخشی کے دستخط ہوتے تھے، پھر یہ سر خط دیوان (گویا وزیر مالیات) کے پاس بھیجا جاتا تھا، جسے وہ خود اپنے پاس رکھ لیتا تھا، اور اس سے وصول کی جانے والی ماہانہ یا سالانہ رقوم کا حساب تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا، سیُورغال سے متعلق فرامین مستوفی (تنقیح کنندہ حسابات یا آڈیٹر) کے دستخط ہو جانے کے بعد محکمۂ امور مذہبی کو بھیج دیے جاتے تھے، جہاں اُن کا اندراج "دیوانِ سعادت" کے دفتروں (رجسٹروں) میں ہوتا تھا، اور ان پر صدر (صدر وہ اعلیٰ عہدیدار جو علماء اور دوسرے اہل حاجت کو وظائف اور جاگیریں عطا کرنے کا اختیار رکھتا تھا) کے دستخط ہوتے تھے۔ آخر میں دیوان کل (صدر دیوان) ان پر دستخط کرتا تھا، اگر نقد رقم ادا کرنے سے متعلق کوئی حکم جاری ہوتا تو اس پر معمولی فرمان کی طرح عمل ہوتا تھا، لیکن ناظر (عہدیدار نظر ثانی) کے دستخط کے بعد وہ دیوان بیوتات (سرکاری مال خانوں اور کارخانوں کا دیوان) کے پاس جاتا اور بخشیوں اور دیوان کے ہاتھوں سے گزر جانے کے بعد اس پر خان ساماں (جس کو آج کل اصطلاح میں اعلیٰ اسٹیٹ آفیسر کہہ سکتے ہیں) کی مہر اور دستخط ثبت ہوتے، بعض احکام بادشاہ کی خدمت میں نہیں بھیجے جاتے تھے، اور نہ ان پر شاہی مہر لگائی جاتی تھی، یہ احکام بیگمات اور شہزادوں کی مقررہ تنخواہوں، دیوان سعادت (محکمۂ امور مذہبی) کے زیر تحویل وظیفوں، احدیوں اور شاہی کارخانہ جات کے بعض ملازمین کی ماہانہ تنخواہوں کے سلسلے میں جاری کیے جاتے تھے، یہ وانچے بادشاہ کے حضور میں اس کی مہر کے لیے پیش نہیں ہوتے تھے، (یہ ساری تفصیل خلاصہ ہے ڈاکٹر ابن حسن مرحوم کی قابل قدر کتاب "دولت مغلیہ کی ہیئت مرکزی" کے متعلقہ مباحث کا جو ۱۹۵۵ء میں مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور سے شائع ہوئی ہے۔)

علمائے فرنگی محل جب سے لکھنؤ میں آباد ہوئے، غیر سرکاری فتویٰ نویسی، ان ہی کے سپرد رہی،

شہر اور بیرون شہر سے ان کی خدمت میں استفتے آتے اور ان کے جوابات عموماً سر گروہ علمائے فرنگی محل کے دستخط سے جاتے، فرنگی محل میں اولین عالم اور استاذ الکل ملا نظام الدین ہی تھے اور اول اول ان ہی کے دستخطوں سے فتوے مزین ہوتے تھے، ملا نظام الدین کا ایک فتویٰ ڈھائی سو برس سے زیادہ گزر جانے کے باوجود آج بھی بعینہٖ موجود ہے، اصل سوال بھی اور ملا صاحب کا دستخط سمیت جواب بھی، ملا صاحب ہی کے قلم سے، جس کی نقل یہ ہے:۔

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین درصورتے کہ زید سکنہ مملوکہ خود بہ عمر ہبہ نمود و خالد دعوی شفعہ می نماید پس دریں صورت دعوی خالد متوجہ می شود یا نہ، بینوا توجروا۔

جواب:۔ قل اللہ یفتیکم متوجہ نمی شود واللہ اعلم کتبہ نظام الدین محمد تجاوز اللہ عن سیئاتہ''

اس سوال جواب پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے، قیاسات سے تقریباً ڈھائی سو سال قدیم فتویٰ قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ ملا صاحب کی وفات ہی کو اس وقت دو سو تیس[۲۰۰] سال ہو چکے ہیں۔

ملا صاحب کے شاگرد رشید اور مفتی شہر ملا مفتی محمد یعقوب فرنگی محلی کا بھی ایک فتویٰ بعینہٖ محفوظ رہ گیا ہے، یہ بلا شبہ دو سو سال قدیم ہے، اس لیے کہ اس پر ملا محمد ولی فرنگی محلی کے بھی دستخط موجود ہیں، جن کی وفات کو ایک سو بانوے[۱۹۲] سال گزر چکے ہیں، اس کی نقل بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی:

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین اندریں صورت کہ شخصے مسجد را بنا کردہ بود آں مسجد از چند مدت خراب و شکست افتادہ است و دراں جا کہ بنائے مسجد است آبادانی ہم نیست حالا ورثا بانی مسجد شخص دیگر را اجازت کردہ از خشت ایں مسجد افتادہ مسجد دیگر را بنا کنند دراں جا کہ آبادانی است پس شخص دیگر را می رسد کہ مسجد بجائے خود کہ آباد است بنا کند یا نہ، بینوا توجروا۔

جواب: ھو المصوب، باجازت ورثا بانی و تجویز قاضی درست است۔ واللہ اعلم

کتبہ محمد یعقوب غفر اللہ ذنوبہ وکفر عن سیئاتہ۔

الجواب المرقوم صحیح۔ کتبہ خادم الطلبہ محمد ولی تجاوز اللہ عن سیئاتہ۔

اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب (مہر ''مفتی شرع غلام حضرت'')

اسی فتوے کے ساتھ ایک دلچسپ اور بہت قدیم فتویٰ بھی منسلک ہے، جس پر ایک درجن مہریں ہیں، جن میں صرف ایک مہر بہت صاف پڑھی جاتی ہے، یہ ہے ملا عبد السلام دیوی کی، جو ملا نظام الدین کے والد ملا قطب الدین شہید کے خالباً اور ملا قطب شہید کے والد ملا عبد الحلیم کے یقیناً استاد ہیں، ان کی مہر کی عبارت ہے ''خادم العلماء النعمانی عبد السلام الاعظمی الکرمانی''۔ یہ تحریر ساڑھے تین سو برس قدیم ضرور ہے، اور اس سے بھی پرانی ہو سکتی ہے۔ مسئلہ نکاح فاسد سے متعلق ہے کہ نکاح فاسد کے ذریعہ شوہر پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، سوال محفوظ نہیں رہا ہے، جواب موجود ہے، جس میں مختصر وقایہ سے عربی کی عبارت نقل کرنے کے بعد فارسی میں یہ لکھا ہے ''چوں ثابت النسب شد وارث نیز شود''۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے نزاعی قضیہ میں علمائے زمانہ سے رجوع کیا گیا تھا، اگرچہ نوعیت مسئلہ پیچیدہ نہیں ہے، پھر بھی بارہ[۱۲] علماء کی مہریں بتا رہی ہیں کہ معاملہ جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے، خاص اہمیت رکھتا تھا۔ مہریں اتنی زیادہ ہیں مگر یہ نہیں کھلتا ہے کہ جواب کس عالم کا تحریر کیا ہوا ہے، بہر حال ملا عبد السلام دیوی کی مہر اس سلسلے میں بہت اہم اور تاریخی ہے۔

ملا نظام الدین کے زمانے ہی میں اگرچہ ان کے بھائی کے پوتے ملا مفتی محمد یعقوب سرکاری طور پر مفتی شہر قرار پا گئے تھے، جو راجہ نول رائے نائب صفدر جنگ کے روز عدالت میں راجہ کے پاس موجود رہ کر معاملات کے بارے میں شرعی فیصلے راجہ کو بتاتے تھے، لیکن غیر سرکاری طور پر

ملا نظام الدین کے فتووں کو اہمیت حاصل تھی، ملا نظام الدین کے بعد ان کے صاحبزادے ملا بحر العلوم کے دستخطی فتووں کو مقبولیت رہی، ملا بحر العلوم کے ترک وطن کے بعد ملا حسن فرنگی محلی کی طرف عام رجحان ہوا اور ان کے فتووں کو سب سے معتبر مانا جاتا رہا، یہ تفصیل رسالۂ قطبیہ مصنفہ ملا عبد الاعلیٰ ابن ملا بحر العلوم میں درج ہے، جس کا اقتباس بھی اوپر گزر چکا ہے۔ مفتی محمد یعقوب فرنگی محلی جو فرنگی محل کے پہلے سرکاری "مفتی شہر" تھے، راجہ نول رائے کے بعد (۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء) نظام عدالت درہم برہم ہو جانے کے نتیجہ میں خانہ نشین ہو کر نجی طور پر فتوے دیتے رہے، ان کے بعد ان کے چھوٹے صاحبزادے مفتی احمد ابو الرحم فتوے دیتے تھے۔ فرنگی محل میں مفتی محمد یعقوب کی شاخ کے علماء میں علاوہ درس و تدریس کے فتویٰ نویسی خاص رہی ہے۔ بیٹے مفتی احمد ابو الرحم کے بعد مفتی محمد اصغر (مفتی ابو الرحم کے بھتیجے) ان کے بعد مفتی محمد یوسف بن مفتی محمد اصغر اور مولانا امین اللہ پھر ان کے بیٹے مولانا عبد الحلیم بن مولانا امین اللہ، پھر مولانا عبد الحیٔ بن مولانا عبد الحلیم مولانا عبد العزیز (مفتی ابو الرحم کے بڑے بھائی کے پرپوتے) اور آخر میں مفتی محمد عبد القادر ابن مولانا عبد العزیز، حکومت اودھ میں مفتی محمد یعقوب، مفتی محمد اصغر، مفتی ظہور اللہ، مفتی محمد یوسف، مفتی محمد نعمت اللہ (مفتی ظہور اللہ کے بھتیجے) اور ملا محمد مبین، اپنے اپنے زمانے میں مفتیِ عدالت رہے۔

ملا نظام الدین کے دستخطی فتویٰ کے علاوہ جس کی نقل اوپر گزری، ملا صاحب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے چار خط بھی بعینہٖ موجود ہیں، اور چند خطوط کی نقلیں بھی، چاروں اصلی خط قاضی قل محمد (سترکھی) کے نام ہیں، اور خطوط کی نقلیں بھی ان ہی قاضی قل محمد سترکھی (ضلع بارہ بنکی) سے متعلق خطوط کی ہیں، یا تو خود ان ہی کے نام یا ان کے سلسلے میں کسی صاحب اثر عہدیدار کے نام۔

ملا صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا پہلا خط (۱) مکتوب الیہ قاضی قل محمد سترکھی

"ہو اللہ — شریعت پناہ قاضی قل محمد سلمہ الصمد، بعد سلام و دعوات جمعیت ہویدا می گردد کہ میاں مد علی در انجا ہستند لازم است و لازم کہ یک جان دو قالب شدہ درہمہ امور متعلقہ شاں کارہائے خود دانستہ مساعی وافرہ و مشکورہ پرداختہ صورت فیلیت گردانند دریں مادہ تاکجا نوشتہ آید لازم است اندک را بسیار تصور نمایند زیادہ زیادہ است والسلام۔

ملا صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا دوسرا خط: مکتوب الیہ قاضی قل محمد سترکھی، (خط کے بعض الفاظ پڑھے نہیں گئے)

"شریعت پناہ اعز قاضی قل محمد جیو سلامت، از نظام الدین محمد بعد سلام و دعواتِ جمعیت ہویدا می گردد کہ تبرک حضرت غوث اعظم قدس سرہ العزیز رسیدہ مع روپیہ برسر نہادہ شد، خانہ آباد و سعادت باد، دیگر از شما بجا اہش تمام تسلی آنکہ نفسانیت و کینہ را جا دادن بسیار بسیار خصلت ذمیمہ است، ہرگاہ غلام مسعود در تبرک پیغمبر صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم در ربیع اول دعوت کردہ بود قبول نکردند خوب نکردند حالا رسم سلام علیک درمیاں آرند، در تقریبات چنانچہ وجہے از وجوہ شادی و تقریب ضیافت عامہ عرس وغیرہ باکدیگر ملاقات نمودہ باشند از خود تا نف و استنکاف نکنند و صورت آشتی منظر داشتہ باشند زیادہ زیادہ است والسلام"

(آخر میں ترچھی کچھ سطریں ہیں جو پھٹے کاغذ جوڑنے میں ادھوری رہ گئی ہیں)

ملا صاحب کے ہاتھ کا لکھا تیسرا خط - مکتوب الیہ قاضی قل محمد سترکھی:

"شریعت پناہ قاضی قل محمد جیو سلمہ الصمد، بعد سلام و دعوات جمعیت بویدا آنکہ بندہ، داعی است در ہمہ اوقات ملتجی رفاہ بے چارگان و نجات مظلومان است آخر بندہ ہم عاجز۔ حق تعالیٰ چوں رؤف بعباد است انشاء اللہ تعالیٰ اگرچہ تا ایں زمان تاخیرے گرفتہ بحال شکر نظر عنایت و امن و امان خواہد فرمود لاتقنطوا من رحمۃ اللہ دائما یکساں نباشد کار دوراں غم مخور والسلم"

ملا صاحب کے ہاتھ کا لکھا چوتھا اور آخری خط۔ مکتوب الیہ "قاضی قل محمد سترکھی"

باسمہ خیر الاسماء۔ برخوردار شریعت پناہ قاضی قل محمد سلمہ الصمد

بعد سلام و دعوات واضح آنکہ شرینی و درپیر رسیدہ، خانہ آباد و برکت باشد و خط بمیر خدایار خاں نوشتہ شد، امید قوی است کہ نافع آید، و قدرے انبہ قسم ٹپکہ خوب پختہ در درخت و بزمیں صدمہ نیافتہ باشد ابلاغ دارند زیادہ جمعیت والسلام از ہمہ خورد و کلاں دعا سلام برخوردار اں دعوت انبہ پال نباشد دبزمیں نارسیدہ گرفتہ شود و پختہ باشد۔"

ملا صاحب کے خطوط کی نقلیں جو شیخ محمد اشرف سترکھی نے شمس العلماء مولانا محمد نعیم کو ارسال کی تھیں اور شمس العلماء کے جانشین اور پر پوتے مولانا محمد ناصر فرنگی محلی کے پاس محفوظ ہیں۔

(۱) مکتوب الیہ ملا حمد اللہ سندیلوی

باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ۔ مجمع فضائل عقلیہ و نقلیہ اخی اعزی (کذا) حمد اللہ جیو سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام و دعوات جمعیت رضیہ ہویدا می گردد کہ شریعت مآب فرزندم قاضی قل محمد در آں جا می رسد، برادر مکیہ در خدمت سامی ظاہر نمایند کار خود دانستہ بقدر وسع مساعی وافرہ و مشکورہ بفعل درآید دریں باب ہرچہ قلمی گردد کمتر از آں بود کہ

در دل است والسلم فالسلم ثم السلم رقمہ نظام الدین محمد۔

(۲) بنام میر اکبر یار خاں:-

باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ ۔ مورد عنایات و باب امن و امان و محیط مراحم فیوضات چمن، خان دلستان (کذا) بس مہرباں میر اکبر یار خاں سلمہ اللہ تعالیٰ، از خادم طلبہ نظام الدین محمد بعد سلام و اشتیاق عاے ترقیات لائقہ و مرضیہ آں کہ شریعت و فضیلت مآب قاضی قل محمد بمثابہ فرزندے از فرزندان اند، در خدمت والا مطلبے متعلق بجناب نواب مظفر جنگ مبرز خواہند ساخت، امید چناں است کہ توجہ وجیہہ در سرانجام آں مبذول باشد و مہربانیہا بحال معز الیہ متوالی بودہ باشد تا شکرے بسمع رسد، زیادہ جز تمنی مطلب مرقوم قلمی چہ است والسلم۔ در عنایات بحق برخوردار شیخ محب اللہ حاجت نوشت چیست بخودی خود متوجہ ہستند در اسباب معاش از خورش و لباس و ضروریات او آوردہ در بسر باشد۔

(۳) بنام خالق داد خاں:- باسمہ خیر الاسماء

خاں دلستاں (کذا) شہامت و امارت نشاں مورد عنایات و باب منان خالق داد خاں سلمہ الرحمن از نظام الدین محمد بعد سلام و اشتیاق تمام و اشد عائے ترقی درجات مرضیہ ہویدا می گردد کہ قاضی قل محمد کہ از زین فقر عن اب عن جد رابطہ مراتب ظاہری و ارتباط معنوی دینی محکم دارند و جہات اخلاص ریگانگی بحدیست کہ عبارت از بیان آں عاجز است، بنا بر ایں برائے (کذا) محل مطلبے می پردازد کہ در نیولا از بے توجہی قاضی قضات سوی الیہ معزول شدند و امارت مرتبت اسد یار خاں اگر اندک توجہ فرمایند مشار الیہ بحال می شوند از امارت منزلت علی رستم خاں و امیر معز الیہ ظاہرا اخلاص بسیار بسیار است بتوجہ

وجیہ شمائلی رستم خاں متوجہ شدہ و از امارت مرتبت معزز الیہ دربارہ قاضی مشار الیہ
مؤکد شدہ برایں یلہ آرند کہ از قاضی قضات بطورے بگویند کہ قاضی متوجہ شدہ
قاضی مشار الیہ را بحال نمایند انشاء اللہ تعالیٰ قاضی قضات از گفتہ امارت مرتبت
بیروں نخواہد شد و البتہ قبول خواہند کرد و دریں باب توجہ نمودن لازم است و لازم
ذمۂ امتنان و احسان است و اداے شکر تا کجا نمودہ آید بجد افراط است
زیادہ خبر...... چہ قلمی گردد والسلام از احمد عبد الحق سلام و اشتیاق۔

(۴) بنام قاضی قل محمد :- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

شریعت پناہ اعزی قاضی قل محمد سلمہ الصمد از نظام الدین محمد بعد سلام و دعوات
مرضیہ آں کہ رقعہ متضمن خیر و عافیت و دیگر احوال سماعت گشتہ خدا تعالیٰ قادر مطلق
مسبب الاسباب ...... عنایت فرماید کہ با حصول مطلب متوجہ بایں سمت شوید و با یکدیگر
ملاقات شد۔ بہرہ بخشند آمین رب العالمین، و پس از صلوات پیوستہ استغفار خواندہ باشند
نحو اللّٰھم اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک، و مصحوب آمدہ پیوستہ باشند
و قاضی غلام محمد مصطفیٰ تا ہنوز نرسیدہ اند طبع متعلق است، ظاہرا براہ عظیم آباد و بلشکر
نواب متوجہ شدہ اند حق تعالیٰ بسلامت بخانہ رساند آمین آمین آمین، فقط از احمد عبد الحق
و ہمہ دعا و سلام از عبد العلی سلمہ العلی سلام، رقعہ بہ قاضی مبارک جیو نوشتہ شدہ
خواہند رساند و اگر کتابے بدینہ بکفیل شدہ بگیرند و اطلاع دارند فقط،

(۵) بنام قاضی قل محمد : باسمہ خیر الاسماء

برخوردار شریعت پناہ قاضی قل محمد سلامت، بعد سلام و دعوات جمعیت مطالعہ
نمایند کہ ملا حمد اللہ جیو از سندیلہ تشریف آوردہ ہمہ مردم را داعی شدند کہ بہت تاریخ

بعقد ہم زن نکاح ولد ایشاں مقرر است حاضر باید شد چوں ایں مسلط گردید برائے دعوت آمدہ بتخصیص اجابت
مزود شد، چنانچہ پس فردا سواری غالب کہ برسد ازیں راہ دراں جا نمی تواں رسید اگر پیش ازیں معلوم شد
ایں را مقدم داشتہ می شد والسلام، از عبد العلی سلمہ العلی۔ سلام

(۶) بنام قاضی قل محمد :- شریعت پناہ قاضی قل محمد جیو سلامت۔ بعد سلام و دعوات جمعیت
ہویدا آنکہ عطائے وہاب تعالیٰ فرزند مبارک یا حی و قیوم قادر مطلق بکمالات انسانیہ فائز ساختہ بعمر طبعی رساند
و فتوی در کاغذ علیحدہ نوشتہ شد چنانچہ بمطالعہ خواہد درآید والسلام اندروں بجدۂ ماجدہ و والدہ
سلام رسانند بہ ہمہ خورد و کلاں دعا و سلام۔ فقط

(۷) بنام قاضی قل محمد :- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ۔ شریعت پناہ اعزی قاضی قل محمد جیو سلامت،
بعد سلام و دعوات جمعیت ہویدا می گردد کہ ہرچند شگوفہ ہائے جنگل بہ بہار آمدہ است لیکن مزاج موافقت سیر صحرا نمی کند
بنا برایں روزہا موقوف است، و دو سبو نیشکر رسیدہ بخشیدنم در آمدہ، شکر است خانہ آباد
والسلام از ہمہ دعا و سلام فقط

(۸) بنام قاضی قل محمد :- باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

شریعت پناہ فضائل دستگاہ قاضی قل محمد سلمہ الصمد، بعد سلام و دعوات لائقہ مطالعہ
نمایند اطلاعے کہ از نواب مرتضیٰ خاں اثرے از وے از چندے ظاہر نیست بیش ازیں
خطے نوشتہ شدہ بود التفات نہ نمودند بلکہ خط را ندیدند حوالہ خدمتگار کردند باز نرسیدند،
برخوردار محب اللہ ملاقات کردند ہیچ التفات نہ فرمودند میر اکبر یار خاں در محل خدمت خود
باشند...... وغیرہ باشد ازیں راہ خط مشار الیہ سود ندارد و بجنسے...... با نواب
صفدر جنگ فی الحال سعی (کنند) نتیجہ و اگر از مشار الیہ دفتر صدارت ....

.... (بقیہ خط محفوظ نہیں رہا)

(۹) بنام قاضی قل محمد باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

برخوردار شریعت پناہ قاضی قل محمد سلمہ الصمد، بعد سلام و دعوات مطالعہ نمایند کہ

مطابق نوشتہ بمسعد خاں و میر اکبر یار خاں و ملا حمد اللہ خطوط نوشتہ نگاہ داشتہ خواہد
شد و قتیکہ شما راہی شاہجہان آباد خواہید شد خواہید گرفت انشاء اللہ زیادہ حرز دعوات
جمعیت والسلم دیگر، نیکہ بر حال شیخ رحمت اللہ متوجہ بدل باشند و در امور مرجوعہ معاون
و سر انجام کار ہائے شان بے اہمال کردہ دہند والسلم فقط

(۱۰) بنام قاضی قل محمد باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

شریعت پناہ اعز قاضی قل محمد سلمہ تعالیٰ۔ بعد سلام و ادعیہ تجلی انوار تفضلات ربانیہ
ہویدا می گردد کہ تبرک شیرینی طبع رو بیڑ طعام رسیدہ شکر است۔ خانہ آباد جواب مسئلہ
این است کہ اگر خواہر و عمہ باشند و دیگرے از ورثہ نباشد ہمہ ترکہ ملوکہ بخواہر می رسد
و عمہ محجوب است۔ واللہ اعلم، از احمد عبد الحق و ہمہ دعا و سلام۔

(۱۱) بنام قاضی قل محمد باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

شریعت و فضائل پناہ برخوردار قاضی قل محمد سلمہ الصمد بعد سلام آنکہ دو صد و پنجاہ
انبہ خوب قسم رسید خوش است، حق تعالیٰ برکت دہد و خانہ آباد و در مقدمہ بدیع الدین و
قدرت اللہ آنچہ نوشتہ بودند دریافتہ شد این جانب تابع حساب است آنچہ وجہ حساب
و معمول باشد شیخ غلام احمد بکند و از پیش ازیں معلوم نبود کہ ضامنے سہ سالہ بود زیادہ
جمعیت والسلم برخورداران برخوردار باشند دعا و سلام خوانند فقط

(۱۲) بنام قاضی محمد قل۔ باسمہ خیر الاسماء

شریعت پناہ اعزی قاضی قل محمد سلمہ الصمد، بعد سلام واضح آنکہ تملیک نامہ اصل
باید مع ہذا اگر مدعی بصحت و سے معترف است بہتر دانند گواہان باید کہ مورث در حال
حیات خود تملیک نمودہ و قابض و متصرف گردانیدہ است۔ اگر گواہان نباشند

حق مدعی ثابت می شود ولیکن حلف بر دے لازم است کہ فلاں تملیک نکردہ است و مرا
علم نیست واللہ اعلم برخورداران سلام و دعوات خوانند از احمد عبد الحق و عبد الاعلی
و ہمہ خورد و کلاں سلام

(۱۳) بنام میاں غلام مسعود باسمہ خیر الاسماء

اخوت پناہ اعزی بس مہربان میاں غلام مسعود سلمہ الودود، از نظام الدین محمد
بعد سلام و دعوات جمعیت واضح آنکہ قاضی قل محمد را فرستادہ شدہ است برادر
خورد شما اند و منصب قضائے کہ بمشورت اجداد کلاں شما، از اجداد کلاں موصی الیہ
تا ایں زماں بایشاں منتہی شدہ در خانہ شما انتہا یافتہ، اگر بالفرض مقصراند توقع از
بزرگان عفو است از خورداں خطا و بزرگاں عطا، ازیں راہ امید قوی دارم
کہ آنچہ گذشت گذشت و رنجید الحال رابطہ اخلاص را محکم نمودہ بدستور سابق بحال
کنانند و از خود احسان کنند و این احسان برائے داعی منجواست و شکر ایں بحدیست
کہ زبان و خامہ از ادائے وے معترف بعجز است، زیادہ خیر خواست آں مطلوب
دیگر چیست۔ والسلم

(۱۴) بنام قاضی قل محمد باسمہ خیر الاسماء تعالیٰ

فضیلت و شریعت پناہ اعزی قاضی قل محمد سلمہ الصمد، بعد سلام و دعوات لائقہ
واضح می گردد کہ شادی مبارک، مزاج بسیار ضعیف گرفتہ است، در ذیحجہ اطلاع
خواہند سود ہرچہ اصلح خواہد بود معمول خواہد شد، انشاء اللہ تعالیٰ روایتے بمہر قضات
ظاہر می سازند وجہے ندارد دعوی منفصل قطعی باشد کہ دعوی ملک خود بچہ سبب۔ آں
زماں جواب نوشتہ پری روز ہم آدم بطلب مسئلہ آمدہ جوابش نوشتہ شدہ بود،

اگر مسئلہ مطلوبہ امروزہ ہماں است مطابق نوشتۂ سابق بعمل در آرند والسلام ، از ہمہ

خورد وکلاں دعا وسلام برخورداراں ودعوات

(۱۵) بنام قاضی قل محمد

شریعت پناہا! بعد سلام آنکہ موہبۂ منعم وہاب تعالیٰ فرزند مبارکباد دیمنِ طبیبی رسد

انشاء اللہ تعالیٰ وبحسب فال وکلام رب العزت اسم محمد اعلم است نام نہند مطابق اسم

مسمیٰ باشد آمین ۔

ان خطوط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے، اس زمانے میں لفافے پر تاریخ، پتہ اور مکتوب الیہ کے

بعد کاتب کا نام تحریر کیا جاتا تھا۔ ان خطوط کے لفافے محفوظ نہیں رہے، یہ ظاہر ہی ہے کہ خطوط دستی

بھیجے گئے ہوں گے۔ ملا صاحب کے زمانے میں ڈاک خانے وغیرہ کہاں تھے،

مذکورہ خطوط زیادہ تر سفارشی ہیں، وہ بھی حضرت قاضی قل محمد ستر کھی کے سلسلے میں، جو قاضی القضات کی ناراضگی یا عدم التفات کی بنا پر معزول ہو گئے تھے۔ ان کی بحالی کے سلسلے میں ملا نظام الدین نے اپنا سارا اثر ورسوخ استعمال کیا، جن امراء وحکام سے تعارف تھا، ان کو قاضی قل محمد کی حالت کی طرف توجہ دلائی اور ان کو لکھا کہ قاضی قل محمد مثل میرے فرزند کے ہیں، جن امراء کو براہ راست خطوط لکھے ان میں ہم اکبر خاں، نواب مرتضیٰ خاں، خالق داد خاں، خدا یار خاں، اور مستعد خاں ہیں، جن میں سے مستعد خاں نواب مرتضیٰ خاں، خدایار خاں کے نام کے خطوط، نہ اصل نہ نقل دستیاب نہیں ہیں، مذکورہ خطوط میں ذکر ہے کہ ان کو خطوط ملا صاحب نے لکھے تھے۔ ایک مکتوب الیہ ملا احمد اللہ سندیلوی بھی ہیں، یہ ملا نظام الدین کے شاگرد تھے، اور نواب صفدر جنگ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، بلکہ دستار بدل بھائی ہو گئے تھے، ان ملا حمد اللہ سے اسی پہلو سے قاضی قل محمد کی سفارش کی گئی ہے، یہی وہ ملا حمد اللہ ہیں جن کی شرح سلم العلوم "حمد اللہ" کے نام سے داخل درس نظامی ہے، ان خطوط میں قاضی مبارک (گوپاموی)

کا بھی ذکر ہے، یہ وہی قاضی مبارک گوپاموی ہیں، جن کی شرح سلم العلوم "قاضی مبارک" کے نام سے درس نظامی میں داخل انتہائی کتاب ہے،

کے نام خط لکھنے کا بھی ذکر ہے،

اگرچہ خطوط بلا تاریخ وسنہ کے ہیں لیکن قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ملا صاحب کے آخری چند زندگی کے سال کے خطوط ہیں، خصوصاً وہ خطوط جن میں اپنے صاحبزادے "عبد العلی سلمہ العلی" کے سلام کا ذکر ملا صاحب نے کیا ہے، تقریباً ہر خط میں "احمد عبد الحق" (برادر زادہ) کی طرف سے مکتوب الیہ کو سلام لکھا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں چچا بھتیجے یک جان دو قالب کی حیثیت رکھتے تھے، جو شخص ملا صاحب کا متعارف تھا وہ ان کے بھتیجے کو بھی جانتا تھا، ایک خط میں جو میر اکبر یار خاں کے نام ہے ملا احمد عبد الحق کے بڑے بیٹے ملا محب اللہ کا بھی ذکر ہے، جن کی طرف مکتوب الیہ نے روزگار دلانے کیلئے توجہ کی تھی، ایک خط میں سب میں بڑے بھائی کے بیٹے قاضی غلام محمد مصطفیٰ کی خیریت نہ معلوم ہونے پر تردد کا اظہار ہے، یہ قاضی غلام مصطفیٰ ملانواں کے قاضی تھے، ایک دفعہ معزول ہوئے، پھر بحال ہوئے، پھر معزول ہوئے، پھر بحال ہوئے، آخری بار معزول ہونے کے بعد جب بحالی کی کوشش میں اپنے بڑے بیٹے محمد علی کے ساتھ گھر سے روانہ ہوئے تو پھر واپس نہ آئے دونوں، خیال کیا جاتا ہے کہ حریف قاضی کے اشارے پر قتل کر دیے گئے، یہ حادثہ کب پیش آیا، اس کی نہ کوئی تفصیل ملتی ہے نہ اجمال، لیکن ان ہی خطوط کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ۱۱۵۵ھ تک (ملا صاحب کی وفات سے چھ سال پہلے تک) بقید حیات تھے، اس لیے کہ ملا صاحب نے قاضی قل محمد کے خط میں لکھا ہے کہ "قاضی غلام محمد مصطفیٰ آنچہ از شما رسیدہ اند طبع متعلق است ظاہرا براہ عظیم آباد بلشکر نواب متوجہ شدہ اند حق تعالیٰ بسلامت بخانہ رساند" یہ وہی کوشش معلوم ہوتی ہے جس کے بعد قاضی غلام مصطفیٰ "بسلامت" گھر واپس نہ آسکے، "لشکر نواب" سے مراد نواب صفدر جنگ کا لشکر ہے، جس کی طرف وہ متوجہ ہوئے تھے اور عظیم آباد ٹنگ کے سفر کا قصد ظاہر کیا تھا، "ظاہرا براہ عظیم آباد

سے یہی سمجھ میں آتا ہے، نواب صفدر جنگ کا مع لشکر عظیم آباد جانے کا زمانہ شوال یا ذیقعدہ ۱۱۵۵ھ ہے، تو اس وقت تک قاضی غلام محمد مصطفےٰ برادر زادہ ملا نظام الدین کو بقید حیات ہونا چاہئے اور یہ ملا صاحب کی وفات سے چھ سال قبل کا زمانہ ہے۔

سفارش کے علاوہ ان خطوط میں تلقین و ارشاد بھی ہے، مسئلوں کا جواب بھی عقیدہ کا انکشاف بھی۔ اور آم کی پسند اور اس پسند میں نفاست کا اظہار بھی، تلقین و ارشاد کے سلسلے میں یہ ہدایت کہ نمازوں کے بعد استغفار پڑھا جائے، جیسے اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک"۔ اور قاضی قل محمد کو سخت ملامت کہ "نفسانیت اور کینہ کو دل میں جگہ دینا بے حد بری عادت ہے"، اور یہ حکم کہ "غلام مسعود سے رسم صاحب سلامت شروع کی جائے اور اب جو وہ کسی تقریب میں شادی بیاہ یا عام دعوت وغیرہ میں بلائیں تو شرکت کیجائے۔ اور انکار و بیزاری نہ ظاہر کی جائے"۔ یا یہ تلقین کہ "مقصد کو پورا ہونے میں دیر ہونے سے مایوس نہ ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہے۔ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے"۔ یا غلام مسعود کو یہ ہدایت کہ "قاضی قل محمد تمہارا چھوٹا بھائی ہے..... بالفرض غلطی اس کی ہے تو تم سے درگزر کی امید ہے، چھوٹوں سے خطا بڑوں سے عطا ہوتی ہے"۔ بھائیوں میں صفائی کرانے کے سلسلے میں ملا صاحب کی دلسوزی اس حد تک ہے کہ دونوں بھائیوں قاضی قل محمد اور غلام مسعود کو الگ الگ حسب مرتبہ تلقین کرتے ہیں اور غلام مسعود کو یہاں تک لکھتے ہیں کہ تم تعلقات بحال کرکے احسان کرو۔ "یہ احسان میرے اوپر ہوگا اور اتنا بڑا احسان ہوگا کہ اس کا شکریہ ادا کرنے سے زبان و قلم قاصر ہیں"۔

عقیدے کا اظہار اس طرح ہے کہ "ربیع الاول میں تبرک پیغمبر صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم یعنی میلاد شریف کی تقریب میں ضیافت میں شرکت کو مستحسن قرار دیتے ہیں اور قاضی قل محمد نے

جو صفائی نہ ہونے کی وجہ سے اس ضیافت میں شرکت نہیں کی تو ان کو تحریر فرمایا کہ "تم نے اچھا نہیں کیا"،

خود قاضی قل محمد نے "تبرک حضرت غوث اعظم قدس سرہ العزیز" یعنی حضرت غوث پاک کی نیاز کا تبرک بھیجا تو ان کو اطلاع دیتے ہیں کہ "میں نے اس تبرک کو سر آنکھوں پر رکھا"۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں سے جو اس قسم کے تبرک کی اہمیت کے منکر ہیں، ملا صاحب کا عقیدہ یکسر مختلف تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ملا نظام الدین کے زمانے تک تبرک، میلاد شریف اور نذر و نیاز کو بدعت اور شرک کہنے کا چلن شروع ہی نہیں ہوا تھا،

آموں سے شوق تو ملا صاحب کو تھا ہی، مگر اس شوق میں بھی نکتہ رسی اور دروں بینی کا مزاج ملا صاحب کی تحریر سے عیاں ہے، یعنی "جو ڈال کے ہوں (از قسم ٹپکہ) خوب پکے ہوئے درخت میں رہنے یا زمین پر ٹپکنے کی حالت میں، ان میں کوئی داغ نہ آیا ہو"۔ پھر مکرر توجہ دلاتے ہیں کہ "جو آم بھیجو وہ پال کے ہرگز نہ ہوں، خوب پکے ہوئے اور زمین پر ٹپکنے سے پہلے ہی درخت سے توڑ لیے گئے ہوں"۔

جن لوگوں کو آموں کا شوق ہے وہ ہی خوب جان سکتے ہیں کہ ذائقہ کے اعتبار سے 'پال' اور 'ڈال' کے آموں میں کیا نازک فرق ہوتا ہے، پھر چوٹ کھائے آموں اور بے داغ آموں کی لذت میں کتنا تفاوت ہے، وہ شوق جو "میٹھے ہوں اور بہت ہوں" کا متقاضی ہوتا ہے، آم کا نہیں پیٹ بھرنے کا شوق ہے، ملا صاحب پیٹ بھرنے کے شوق کے بجائے آموں کا معیاری ذوق رکھتے تھے،

ملا صاحب کے لکھے ہوئے خطوط کے علاوہ ایک خط ملا صاحب کے نام کسی صاحب کا لکھا ہوا مولانا محمد میاں فرنگی محلی کے خاندانی کاغذات میں پایا جاتا ہے، یہ خط بلاشبہ ڈھائی سو سال سے بھی زیادہ قدیم ہے،

اسلئے کہ اسمیں ملا صاحب کے پیر و مرشد سے بھی ایک استدعا ہے جنکے وصال کو آج دو سو چھپن (۲۵۶) سال ہو چکے ہیں، ملا صاحب کے نام خط یہ ہے :-

"فضائل و کمالات دستگاہ ملان (کذا) نظام الدین در حفظ الٰہی باشند، مکتوب مرغوب متضمن حزنیت خویش و عدم رسیدن نوشتجات آنجا کہ ارسال داشتہ بودند رسید، چوں پریشانی احوال کار، از تحریر گزشتہ بہنین سبب مادر نوشتجات توقف بمیا آمدہ آں فضیلت پناہ بمقتضائے اخلاص برفع پریشانی و کشائش کار یابی بکار دعا خواہند نمودہ خدائے تعالیٰ فضل نماید کہ مستجاب گردد و شیخ غلام مصطفیٰ در حویلی سرکار سکونت دارد و از خط ایشاں حقیقت مفصل واضح خواہد شد و ہمیریان انیس (کذا) از کیفیت احوال خود اطلاع می دادہ باشند کہ خاطر متعلق بجا باشند زیادہ زیادہ مشتاق دانند والسلم

فضیلت پناہا پریشانی از حد گزشت، گوشہ نشینی مثل فقرا بسبب بحاجت اختیار کردہ دعا باید کرد کہ خدائے تعالیٰ فضل نماید و غافل بناید بود کہ حالت نماندہ، و شیخ غلام مصطفیٰ اینجامی باشند تا الحال کار خود صورت گرفتہ است باندک خاطر جمعی انچہ خواہد شد تا مقدور در یغ نخواہد شد، خطے بجناب فیض مآب حضرت پیر و مرشد حقیقی شاہ عبدالرزاق سلمہ دیدہ رسول ساختہ بوقت نیک باید گزرانند و خود ہم مقید باید شد کہ در گوشہ خاطر باشند تا باندک توجہ کامیاب دارین گردد"

یہ پتہ نہیں چلتا کہ خط لکھنے والا کون ہے، نیز بیچ میں غلام مصطفیٰ کا نام آیا ہے، یہ وہی ملا صاحب کے برادر زادے معلوم ہوتے ہیں جو ملانواں کے قاضی بنے تھے، پھر معزول ہوئے پھر بحال ہوئے پھر معزول ہوئے، اسکے بعد بحالی کی کوششوں میں مفقود الخبر ہو گئے، یہ خط ملا صاحب کو اسوقت لکھا گیا ہے جب انکی عمر چالیس پینتالیس کے درمیان تھی، اسلئے کہ ملا صاحب کے مرشد کا جب وصال ہوا ہے تو ملا صاحب کی عمر ۴۸ سال تھی، اتنا یقینی ہے کہ یہ خط ملا صاحب کے خط کے جواب میں ہے، شاید ملا صاحب نے اپنے برادر زادے قاضی غلام مصطفیٰ کے سلسلے میں کوئی سفارشی خط لکھا ہوگا جس کے جواب میں لکھنے والے نے لکھا ہے "تا مقدور دریغ نخواہد شد" اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ کوئی با اثر شخصیت کا یہ خط ملا صاحب کے نام آیا، جو ملا صاحب کا "ہم پیر" بھی معلوم ہوتا ہے۔

(باقی)

مُستدرکِ حاکم اور اُس پر اعتراضات کا جائزہ

از

ضیاءُ الدین اصلاحی رفیق دار المصنفین

(۲)

بلاشبہ علامہ زیلعی نے جو کچھ لکھا ہے اس کی مثالیں مستدرک میں ملتی ہیں، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ اس قسم کے بعض مواقع پر جن کا زیلعی نے ذکر کیا ہے، حاکم نے خود بھی تصریح کر دی ہے، مثلاً جس سند کے تمام رجال صحیح ہوں اور کوئی ایک راوی ضعیف ہو، اس کے بارے میں حاکم نے یہ بتا دیا ہے کہ شیخین نے اس حدیث کو فلاں راوی کی وجہ سے ترک کر دیا ہے، پھر انھوں نے اس راوی کو صحیح و ضابط قرار دینے کی کوشش کی ہے، یا اس کے بارہ میں علمائے جرح و تعدیل کا اختلاف بیان کر کے لکھ دیا ہے کہ اگر اس کا قوی ہونا ثابت ہو جائے تو یہ روایت بالکل صحیح ہو گی، یہی حال دوسری مثالوں کا ہے، حاکم نے عموماً شیخین کی عدم تخریج کے اسباب بھی بیان کر دیے ہیں، جس سے ان کے استدراکات کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے، تاہم اس میں شبہہ نہیں کہ زیلعی کی اکثر مثالیں صحیح ہیں، خلاصۂ بحث یہ ہے کہ شیخین کے متعلق حاکم کے سب دعوے خواہ صحیح نہ ہوں، لیکن سب غلط بھی نہیں ہیں، حافظ ذہبی نے اپنی تلخیص میں غلط دعووں کی وضاحت کے ساتھ صحیح کی توثیق بھی کی ہے، اور جن کے بارہ میں سکوت اختیار کیا ہے اس سے بھی حاکم کی تصویب ظاہر ہوتی ہے

ضعیف و موضوع حدیثیں

دوسرا ضمنی اعتراض یہ ہے کہ مستدرک میں ضعیف اور موضوع حدیثیں بھی ہیں، چنانچہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:-

"اس میں شک نہیں کہ مستدرک میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جو شرائطِ صحت کے خلاف ہیں، بلکہ موضوع حدیثیں بھی ہیں جو اس کے شایانِ شان نہیں۔"[1]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

"گو حاکم حدیث میں امام صدوق تھے، تاہم انھوں نے مستدرک میں ساقط حدیثوں کی بھی تصحیح کر دی ہے۔"[2]

اوپر ان کا یہ بیان بھی گذر چکا ہے کہ مستدرک کا تقریباً چوتھائی حصہ منکر، واہی اور موضوع حدیثوں پر مشتمل ہے، انھوں نے تلخیص میں بھی حدیثوں کا ضعف، نکارت اور وضع دکھایا ہے اور حاکم کی موضوع حدیثوں کو ایک مستقل جزء میں جمع کیا گیا تھا، جو تقریباً ایک سو حدیثوں پر مشتمل تھا، علامہ ابن جوزی نے بھی ان کی ساٹھ موضوع حدیثوں کا ذکر کیا ہے، گو اس کو محدثین نے مکمل طور پر تسلیم نہیں کیا ہے، اکثر تذکرہ نگاروں نے مستدرک کی ضعیف و موضوع حدیثوں کی مثال دیتے ہوئے "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" اور "حدیث طیر" وغیرہ کو پیش کیا ہے، شاہ عبد العزیز صاحب نے اس کا شمار حدیث کے تیسرے طبقہ کی کتابوں میں کیا ہے، اور اس طبقہ کے متعلق ان کا اور ان کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا یہ بیان ہے کہ

"اگرچہ ان کتابوں کے مولفین علوم حدیث میں ماہر تھے اور ضبط و عدالت کی صفات سے متصف تھے، لیکن ان میں صحیح، حسن اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں، بلکہ انکی بعض حدیثیں موضوع بھی ہیں، گو ان کے اکثر رواۃ عدالت کی صفت سے متصف ہیں تاہم بعض

۱؎ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۷۵ ۲؎ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۸۵

مستور اور مجہول الحال بھی ہیں۔"[1]

ان سب بیانات سے مستدرک میں ضعیف و منکر بلکہ موضوع حدیثوں کا بھی یقینی طور پر ہونا ثابت ہو جاتا ہے، لیکن موضوع حدیثوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے، حافظ ابن جوزی نے ساٹھ حدیثوں کی نشاندہی کی ہے، لیکن ان میں سے اکثر کو محدثین نے تسلیم نہیں کیا ہے، رہیں ضعیف حدیثیں تو وہ موضوع کے ساتھ شامل ہو کر چوتھائی حصہ کے بقدر ہوں گی، ضعیف حدیثوں سے کوئی کتاب بھی خالی نہیں ہے، لیکن مستدرک میں ان کی تعداد اس لیے زیادہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ خود ضخیم کتاب ہے، اور اس کی ضخامت کے اعتبار سے یہ تعداد زیادہ نہیں ہے، اس کا زیادہ حصہ جیسا کہ ذہبی کے بیان سے ظاہر ہے، صحیح حدیثوں پر مشتمل ہے، علامہ ابن صلاح فرماتے ہیں:

"مستدرک میں جو نہایت ضخیم کتاب ہے صحیحین کی متروک حدیثوں کو شامل کیا گیا ہے، گو اسکی بعض حدیثوں کے بارہ میں کلام کیا گیا ہے، لیکن اس کا بڑا حصہ صحیح ہے۔"[2]

گو مستدرک کی ضعیف و موضوع حدیثوں سے اس کا پایہ گھٹ ضرور گیا ہے، تاہم اس سے حاکم کے علوِ مقام اور عظمتِ شان میں فرق نہیں آتا، علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:-

"حاکم کا درجہ و مرتبہ نہایت بلند ہے، وہ کسی طرح ضعفاء میں شمار کیے جانے کے مستحق نہیں ہیں، ان کی جانب سے یہ معذرت کیجائیگی کہ مستدرک ان کے آخر عمر کی تصنیف ہے، جب ان کی حالت متغیر ہو گئی تھی، اور اس وقت ان پر ذہول و نسیان بھی طاری رہتا تھا، اس کا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے اس میں بعض ایسے راویوں کو بھی صحیح قرار دیدیا ہے اور ان لوگوں کی حدیثیں بھی درج کر لی ہیں جن کا وہ اپنی کتاب الضعفاء میں تذکرہ کر چکے تھے، اور جن کے ناقابل حجت ہونے اور جن کی حدیثوں کے ترک کر دینے کا فیصلہ

۱؎ عجالۂ نافعہ مع فوائد جامعہ ص ۵ ۲؎ مقدمہ ابن صلاح ص ۱۰

کر چکے تھے، مثلاً عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی ایک حدیث کی تخریج کی ہے، حالانکہ ان کا ضعفاء میں تذکرہ کیا ہے، اور ان کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے والد کے واسطے سے ایسی موضوع حدیثیں بیان کی ہیں جن کا ضعف و وضع غور و تامل کرنے والے اہل فن سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔"[1]

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حاکم نے مستدرک کی بعض حدیثوں کو ضعیف سمجھنے کے باوجود شواہد و متابعات کی حیثیت سے یا اور کسی مصلحت کی بنا پر نقل کیا ہے، اور ایسے مواقع پر انھوں نے ان اسباب کی صراحت بھی کر دی ہے جو ضعیف حدیث کی روایت کا باعث ہوئے ہیں، علامہ سیوطی فرماتے ہیں:۔

وربما اورد فیه ما لم یصح عنده منبها علی ذلك[2]	بعض اوقات وہ غیر صحیح روایت لائے ہیں، مگر اس کے متعلق تنبیہ کر دی ہے۔

یہ بھی ہے کہ حاکم خود صاحب فن تھے، ان کی تحقیق میں بعض حدیثیں اور رواۃ قوی و صحیح تھے لیکن بعض دوسرے اہل فن نے ان کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے،

تساہل کا الزام اب تک جن الزامات کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی در اصل تساہل ہی کے تحت آتے ہیں لیکن اب اس کا مستقل طور سے ذکر کیا جاتا ہے، پہلے جو باتیں نقل کی گئی ہیں ان کے علاوہ بعض مزید تفصیلات ملاحظہ ہوں:

علامہ ابن صلاح کا مشہور بیان ہے:

وهو واسع الخطو فی شرط الصحیح متساهل فی القضاء به[3]	وہ صحیح روایت کے شرائط کے بارہ میں بڑے توسع پسند اور صحیح کا حکم لگانے میں نہایت متساہل تھے۔

[1] لسان المیزان [2] تدریب الراوی ص ۳۱ [3] مقدمہ ابن صلاح ص ۱۱

علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ

فالحاکم معروف تساهله وتصحیحه للاحادیث الضعیفة بل الموضوعة[1]	پس حاکم کا تساہل اور ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کی تصحیح مشہور و معروف ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں:۔

"حدیث کی تصحیح میں حاکم کا تساہل اسی طرح مشہور ہے جس طرح علامہ ابن جوزی کا تضعیف حدیث میں تساہل مشہور ہے۔ ..... شیخ الاسلام علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے تساہل نے ان کی کتابوں کا فائدہ معدوم کر دیا ہے۔"[2]

ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ محدثین کے نزدیک حاکم کا تساہل مشہور و مسلم ہے، مگر یہ بحث ایک حد تک توضیح و تنقیح طلب ہے۔

حاکم پر جس شد و مد کے ساتھ یہ الزام عائد کیا گیا ہے اس سے بظاہر حاکم کا احادیث میں زیادہ غیر محتاط و مداہن ہونا ثابت ہوتا ہے، جو صحیح نہیں ہے، اور نہ تساہل کا یہ مطلب ہے کہ انھوں نے رطب و یابس ہر قسم کی روایات بلا تحقیق و تفتیش نقل کر دی ہیں، ان کی تلاش و تفحص، حزم و احتیاط اور احکامی روایتوں میں شدت کا پہلے ذکر آچکا ہے، ان کا بلند پایہ محدث اور علوم حدیث میں ماہر ہونا مسلم ہے، روایات کے رد و قبول کے اصول و ضوابط کی وہ پابندی بھی کرتے تھے، اور انکے اپنے بھی اصول تھے، جہاں انھوں نے ان اصولوں کو ترک کیا ہے اس کی صراحت کر دی ہے، جرح و تعدیل حاکم کا خاص فن تھا، اس میں انھوں نے ایسی اہم بالشان کتابیں لکھی ہیں جن کے حوالوں سے رجال کی کوئی کتاب بھی خالی نہیں ہے، ان باتوں سے ان کے حزم و احتیاط کا پتہ چلتا ہے، اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں لکھتے ہیں:۔

[1] نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۶۰ [2] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۷۷،

حدیث کے طالب علم کو محدث کے حالات کی بحث و تفتیش کرنی ضروری ہے، اس کو سب سے پہلے محدث کے متعلق یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ عقیدۂ توحید کو مانتا اور انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کا پابند ہے یا نہیں؟ پھر یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ وہ صاحب ہوی تو نہیں ہے، جو لوگوں کو اپنی خواہشات کے مطابق دعوت دیتا ہو، کیونکہ داعی بدعت کی حدیث قبول نہ کرنے پر ائمۂ مسلمین کا اجماع ہے۔ اس کے بعد اس کے سن و سال کو معلوم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ اس کا اپنے ان شیوخ سے جن سے وہ حدیثیں روایت کرتا ہے، سماع ممکن ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہم نے ایسے شیوخ دیکھے ہیں جنھوں نے اپنے شیوخ سے ایسے سن میں حدیثیں بیان کی ہیں جس سن میں ان کی ان شیوخ سے ملاقات ممکن ہی نہیں ہے۔"[1]

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

"صحیح حدیث کی معرفت مجرد روایت سے نہیں ہوتی بلکہ اس کو عقل و فہم، حفظ و ضبط، اور کثرت سماع وغیرہ سے معلوم کیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں اہل علم و معرفت کے مذاکرہ سے بڑھ کر کوئی چیز معاون نہیں ہے، اسی سے مخفی علت ظاہر ہوتی ہے، پس جب اس طرح کی کوئی حدیث صحیح اسانید سے پائی جائے اور وہ شیخین کی کتابوں میں مروی نہ ہو تو ایسی صورت میں حدیث کے طالب علم کو اس کی تحقیق اور کرید کرنا نیز اس کی معرفت رکھنے والوں سے مذاکرہ کرنا لازم ہے، تاکہ اس کی علت کا پتہ چل سکے۔"[2]

جس امام کے یہ خیالات ہوں اور جس کا روایات کے رد و قبول میں یہ معیار ہو اس کو غیر محتاط یا حاطب اللیل کس طرح کہا جا سکتا ہے، اس لیے ان کے تساہل کا صرف یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ دوسرے محدثین نے جو غیر معمولی تشدد روا رکھا تھا، اور جس کے نتیجہ میں بے شمار

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۵، ۱۶ [2] ۱۵ ایضاً

صحیح حدیثیں ان کے معیار پر پوری نہ اتریں، اور نہ ان کے انتخاب میں آ سکیں، حاکم نے اس طرح کا تشدد اس لیے روا نہیں رکھا تاکہ کوئی صحیح و ثابت حدیث محفوظ ہونے سے نہ رہ جائے، اسی نیک جذبہ نے ان کے یہاں قدرے نرمی اور مداہنت پیدا کر دی ہے، اس لیے حدیث کی تصحیح میں حاکم کا تساہل اگرچہ مسلّم ہے، لیکن اس کی وہ نوعیت نہیں ہے جو غلو و اغراق کی وجہ سے اس کو دیدی گئی ہے۔

حاکم کے تساہل کے چند اسباب تھے، جن کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے،

(۱) خود ان کا یہ بیان گذر چکا ہے کہ مستدرک منکرین حدیث، اہل اہوا اور مبتدعین کے اس الزام اور مغالطہ کے جواب میں لکھی گئی ہے کہ صحیح حدیثوں کی تعداد بہت کم ہے، حاکم نے اس شبہہ کی تردید میں یہ بھی لکھا ہے کہ صحیح حدیثیں صرف صحیحین ہی میں منحصر نہیں ہیں، جیسا کہ خود شیخین نے بھی اس کی صراحت کی ہے، اور ابن صلاح، نووی اور دوسرے اساطین فن کا بھی بیان ہے، اس بنا پر حاکم نے یہ کوشش کی ہے کہ وہ اپنے علم و امکان بھر زیادہ سے زیادہ صحیح روایات کا مجموعہ مرتب کر دیں۔ اس کی وجہ سے مستدرک میں تساہل ہو گیا ہے،

(۲) حاکم نے صحیح حدیثوں کی تائید و توثیق کے لیے کثرت سے شواہد اور متابعات نقل کیے ہیں، ان میں اور فضائل اعمال کی حدیثوں میں انھوں نے زیادہ شدت اور احتیاط نہیں برتی ہے، چنانچہ مستدرک کی اس قسم کی حدیثوں میں زیادہ تساہل پایا جاتا ہے،

(۳) حافظ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے کہ مستدرک، حاکم کے آخر عمر کی تصنیف ہے، اس زمانہ میں ان کی حالت دگرگوں ہو چلی تھی، ان کو نظر ثانی اور حک و اصلاح کا موقع بھی نہیں ملا تھا، اس لیے مستدرک میں تساہل زیادہ پایا جاتا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ "حاکم کے یہاں تساہل کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے کتاب کا مسودہ تو مکمل کر لیا تھا، لیکن اس کی تنقیح نہیں کر سکے تھے،"

مستدرک کے چھ جزوں میں صرف ڈیڑھ جزء تک مجھکو حاکم کا املا ملا ہے، بقیہ اجزا کی حاکم سے بطریق اجازت روایت کی گئی ہے، اور ان اجزا میں ان جزوں کے مقابلہ میں جن کا حاکم نے خود املا کرایا ہے، زیادہ تساہل پایا جاتا ہے۔[1]

حاکم کا تساہل تو متعارف و مسلم ہی ہے لیکن اس الزام سے بعض اکابر محدثین بھی بری نہیں ہیں، چنانچہ بعض محدثین کے نزدیک تساہل کے اعتبار سے صحیح ابن حبان بھی مستدرک ہی کے لگ بھگ ہے، ابن خزیمہ کی عظمت شان میں کس کو کلام ہوسکتا ہے، ان کا اور ان کی صحیح کا پایہ ان دونوں سے بہت بلند ہے لیکن علامہ سخاوی لکھتے ہیں:-

وکم فی کتاب ابن خزیمۃ ایضاً من حدیث محکوم منہ بصحتہ وھو لا یرتقی عن رتبۃ الحسن[2]	ابن خزیمہ کی کتاب میں کتنی ایسی حدیثیں ہیں جنکی صحت کا حکم لگایا گیا ہے حالانکہ وہ حسن کے مرتبہ سے اوپر کی نہیں ہیں۔

امام دارقطنی اور امام ترمذی پر بھی جن میں اول الذکر حاکم کے استاذ اور موخر الذکر امام بخاری کے ممتاز شاگرد اور ائمہ صحاح میں ہیں، یہی الزام عائد کیا گیا ہے، علامہ ذہبی جیسے نقاد فن کا بیان ہے:

ان العلماء لا یعتدون بتصحیح الترمذی ولا الحاکم[3]	علمائے فن ترمذی اور حاکم کی تصحیح کو زیادہ قابل اعتنا نہیں سمجھتے

علامہ زیلعی فرماتے ہیں:-

حتی قیل ان تصحیحہ دون تصحیح الترمذی والدارقطنی[4]	یہانتک کہا گیا ہے کہ حاکم کی تصحیح امام ترمذی ودارقطنی کی تصحیح سے بھی کمتر ہے۔

---

[1] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۴۴ و تدریب الراوی ص ۳۱ [2] فتح المغیث ص ۱۳، [3] الرسالۃ المستطرفہ ص ۲۰ [4] نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۵۲

حافظ سخاوی کہتے ہیں:-

بل وفیما صححہ الترمذی من ذلک جملۃ مع انہ ممن یفرق بین الصحیح والحسن[1]	بلکہ امام ترمذی کی تصحیح میں بھی تساہل کا بڑا حصہ شامل ہے، حالانکہ وہ ان لوگوں میں ہیں جو صحیح و حسن میں امتیاز کرنے والے ہیں۔

اسی طرح ضیاء مقدسی، ابن عوانہ، ابن سکن اور ابن جارود وغیرہ نامور محدثین کی تصنیفات اگرچہ صحیح کے نام سے موسوم کیجاتی ہیں، لیکن ایک جماعت نے ان پر بھی انصافاً یا تعصباً نقد کیا اور تساہل کا الزام لگایا ہے۔[2]

اس لیے جس طرح ان ائمہ کی تصانیف کی خامیوں کی وجہ سے ان کی جلالت قدر میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح حاکم کی عظمت میں بھی ان کے تساہل کی بناء پر کلام نہیں کیا جاسکتا۔

حاکم کی تصحیح کا حکم

حاکم کا تساہل تسلیم کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان کی توثیق و تصحیح کا کیا حکم ہوگا، محدثین اور علمائے فن کے نزدیک چند صورتوں کو چھوڑ کر عام طور پر حاکم کی تصحیح کا لحاظ کیا جائے گا، یہ مستثنیٰ صورتیں حسب ذیل ہیں:-

(الف) جس حدیث کی حاکم نے توثیق کی ہو وہ کسی دوسری صحیح و ثابت حدیث کے خلاف ہو

علامہ زیلعی جہر بالبسملہ کے بیان میں لکھتے ہیں:-

وتصحیح الحاکم لا یعتد بہ سیما فی ھذا الموضع فقد عرف تساھلہ فی ذلک ...... وتوثیق الحاکم لا یعارض ما یثبت	حاکم کی تصحیح کا اس مقام میں خاص طور پر لحاظ نہیں کیا جائیگا کیونکہ یہاں انکا تساہل معلوم و معروف ہے ...... اور حاکم کی توثیق کو اگر وہ صحیح و ثابت حدیث کے

---

[1] فتح المغیث ص ۱۴ [2] ایضاً

في التصحيح خلافه لما عرف من تساهله [1]

خلاف ہو، اس کے معارض نہیں قرار دیا جائے گا کیونکہ ان کا تساہل معروف ہے۔

زیلعی کے اس بیان سے حاکم کی تصحیح کا سرے سے ناقابلِ اعتبار ہونا ثابت نہیں ہوتا، آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

حتى قيل ان تصحيحه دون تصحيح الترمذي والدارقطني بل تصحيحه كتحسين الترمذي واما ابن خزيمة وابن حبان فتصحيحهما ارجح من تصحيح الحاكم بلا نزاع [2]

یہاں تک کہا گیا ہے کہ حاکم کی تصحیح کا درجہ امام ترمذی اور دارقطنی کی تصحیح سے کمتر ہے، بلکہ ان کی تصحیح کی حیثیت امام ترمذی کی تحسین کی طرح ہے، رہے ابن خزیمہ اور ابن حبان تو ان کی تصحیح بلا اختلاف حاکم کی تصحیح سے راجح ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیلعی کے نزدیک حاکم کی تصحیح بالکل ساقط اور ناقابلِ اعتبار نہیں ہے بلکہ جب وہ صحیح حدیث کے معارض ہو تو ناقابلِ اعتبار ہوگی،

(ب) حاکم نے جس حدیث کی تصحیح کی ہو اگر اس کے بارہ میں دوسرے محدثین کا فیصلہ اس کے برعکس ہو تو حاکم کی تصحیح کا لحاظ نہیں ہوگا، علامہ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ حاکم کی تصحیح کا اسی وقت اعتبار کیا جائے گا جب کہ اس کے بارہ میں دوسرے ائمہ کی اس کے خلاف تصریح موجود نہ ہو۔

(ج) جس حدیث کی حاکم نے تصحیح کی ہو، اس میں ضعیف کر دینے والی کوئی علت موجود ہو، ابن صلاح اور نووی نے اس کی بھی تصریح کی ہے۔

ان صورتوں کے سوا حاکم کی تصحیح کو معتبر اور حجت سمجھا جائے گا، البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ ان کی تصحیح کے بارہ میں کس قسم کا حکم لگایا جائے گا، ابن صلاح اور حافظ نووی کے نزدیک

---

[1] نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۴۴ [2] ایضاً ص ۳۵۲

اس کو حسن پر محمول کیا جائے گا، ابن صلاح فرماتے ہیں:

فالاولى ان نتوسط في امره فنقول ما حكم بصحته ولم نجد ذلك فيه لغيره من الائمة ان لم يكن من قبيل الصحيح فهو من قبيل الحسن يحتج به ويعمل به الا ان تظهر فيه علة توجب ضعفه [1]

ہمارے نزدیک حاکم کی تصحیح کے بارہ میں بیچ کی راہ اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے، پس جس حدیث کے صحیح ہونے کا انھوں نے فیصلہ کیا ہو اور اس میں دوسرے ائمہ کی کوئی تصریح موجود نہ ہو اس کے بارہ میں ہم یہ کہیں گے کہ اگر وہ صحیح کے قبیل سے نہیں ہے تو حسن کے قبیل سے ہے، اس کو لائقِ حجت اور قابلِ عمل سمجھا جائے گا، بشرطیکہ اس میں کوئی ایسی علت نہ ہو جو ضعف کی موجب ہو۔

نووی لکھتے ہیں:-

فما صححه ولم نجد فيه لغيره من المعتمدين تصحيحا ولا تضعيفا حكمنا بانه حسن الا ان يظهر فيه علة توجب ضعفه [2]

جس حدیث کی حاکم نے تصحیح کی ہو اور اس کی صحت یا ضعف کے متعلق دوسرے معتبر محدثین کی تصریح موجود نہ ہو تو ہم اس کو حسن قرار دیں گے، بشرطیکہ اس کو ضعیف قرار دینے والی علت موجود نہ ہو۔

زیلعی کے اوپر کے بیان میں "بل تصحيحه كتحسين الترمذي" سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے، لیکن علامہ جزائری نے محدث ابن صلاح کے بیان "وان لم يكن من قبيل الصحيح فهو من قبيل الحسن"

---

[1] مقدمہ ابن صلاح ص ۱۱ [2] تدریب الراوی ص ۳۱

کا دوسرا مفہوم بتایا ہے، وہ کہتے ہیں کہ

"جس حدیث کی تصحیح میں حاکم منفرد ہوں اور دوسرے محدثین کا اس کے بارہ میں کوئی فیصلہ موجود نہ ہو تو اس کو احتیاطاً صحیح و حسن کے درمیان دائر سمجھا جائے گا، لیکن بعض لوگوں نے انکے بیان کا یہ مطلب لیا ہے کہ اس پر محض حسن کا حکم لگایا جائے گا۔"[1]

لیکن متاخرین کے نزدیک حاکم کی تصحیح کے بارہ میں اقتضائے حال کے مطابق حکم لگایا جائیگا، جزائری کا بیان ہے کہ

"اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ جس حدیث کی تصحیح میں حاکم منفرد ہوں اس کے متعلق بحث و تحقیق کی جائے گی اور اس پر اس کے اقتضائے حال کے مطابق صحت یا حسن یا ضعف کا حکم لگایا جائے گا۔"[2]

بدر بن جماعہ سے بھی یہی منقول ہے، اور عراقی، سخاوی[3] اور سیوطی وغیرہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے، علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

"صحیح طریقہ یہ ہے کہ حاکم کی تصحیح کی تحقیق کر کے اس کے اعتبار سے حسن، صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم لگایا جائے، عراقی نے بھی اس کی موافقت کی ہے، اور کہا ہے کہ اس پر محض حسن ہی کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔"[4]

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں:-

"غالباً ابن صلاح نے یہ مسلک اس لیے اختیار کیا ہے کہ ان کے خیال میں اب لوگ تصحیح کے اہل نہیں رہے، اس لیے اس کا قصہ ہی ختم ہوگیا، جو درست نہیں ہے، تصحیح کا معاملہ ختم نہیں ہوا ہے بلکہ اب بھی اگر کسی شخص میں اس کی اہلیت موجود ہو اور اس میں اسکے اوصاف و شرائط

---

[1] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۷، [2] ایضاً [3] الفیہ ص ۷، و فتح المغیث ص ۱۳ و ۱۴، [4] تدریب الراوی ص ۳۱

موجود ہوں تو وہ تصحیح کا فیصلہ کر سکتا ہے۔[1]

باقی حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی یہ تحریر کہ

"ذہبی نے یہ کہا ہے کہ کسی شخص کو میری تلخیصات و تعقبات دیکھے بغیر حاکم کی تصحیح سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔"[2]

اور

"محدثین کا فیصلہ یہ ہے کہ ذہبی کی تلخیص دیکھے بغیر مستدرک حاکم پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔"[3]

اوپر کے بیانات کے معارض نہیں ہے اور نہ اس سے حاکم کی تصحیح کا مطلقاً باطل ہونا ہی ثابت ہوتا ہے،

رفض و تشیع کا الزام امام ابو عبداللہ حاکم پر سب سے بڑا الزام رفض و تشیع کا عائد کیا گیا ہے، اسکی تفصیل حسب ذیل ہے:-

(۱) محمد بن طاہر روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو اسماعیل انصاری سے حاکم کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ "وہ حدیث میں ثقہ مگر سخت رافضی تھے"،[4]

(۲) دوسری جماعت ان کے رفض کی نفی و تردید کرتی ہے لیکن وہ بھی ان کو شیعیت سے متہم کرتی ہے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں "وہ شیعیت میں ضرور مشہور تھے لیکن شیخین کے مسائل میں تعرض نہیں کرتے تھے، ابو اسماعیل انصاری کا قول خلاف انصاف ہے، درحقیقت حاکم رافضی نہ تھے، بلکہ شیعی تھے۔"[5]

مگر خود ابن طاہر کے بیان سے جنھوں نے حاکم کے رافضی ہونے کی ابو اسماعیل سے روایت کی ہے، رفض کا کوئی پتہ نہیں چلتا، چنانچہ وہ کہتے ہیں[6] "حاکم اندرونی طور سے تو شیعوں کی سخت

---

[1] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۸، [2] بستان المحدثین ص ۱۱۴ [3] ایضاً ص ۱۴۳ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۴۴ [5] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۸۵ [6] یہاں اس بیان پر کوئی تبصرہ کرنا مقصود نہیں ہے ورنہ کسی کے باطن کے متعلق اس قسم کا فیصلہ کرنا کہاں تک درست اور مقتضائے انصاف ہے، فقہاء کا عام قاعدہ یہ ہے کہ نحن نحکم بالظاہر۔

عصبیت میں مبتلا تھے لیکن خلافت اور تقدیم کے مسئلہ میں وہ تسنن کا اظہار کرتے تھے"۔[۱]

حاکم کی شیعیت کے بارہ میں سب سے مشہور روایت وہ ہے جس کو خطیب بغدادی نے اور ان کے حوالے سے بعض دوسرے ارباب سیر و تذکرہ نے نقل کیا ہے کہ

"حاکم ثقہ تھے مگر تشیع کی جانب میلان رکھتے تھے، مجھ سے ابراہیم بن محمد ارموی نے جو ایک صاحب علم اور صالح شخص تھے، بیان کیا کہ حاکم نے ایسی حدیثیں جمع کی ہیں جن کے بارہ میں ان کا گمان ہے کہ وہ صحیحین کے شرائط کے مطابق ہیں، اس لیے شیخین پر ان کی تخریج ضروری تھی، چنانچہ اسی قسم کی حدیثوں میں حدیث طیر اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ بھی ہیں، جو حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب میں وارد ہیں، اور ان کی وجہ سے محدثین نے ان پر نکیر و ملامت کی ہے"۔[۲]

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاکم پر رفض کا الزام صحیح نہیں ہے، بلکہ سراسر بے بنیاد ہے، علامہ ذہبی کے مذکورۂ بالا بیان کے علاوہ دوسرے بیانات سے بھی جو آگے نقل کیے جائیں گے اس کی پوری تردید ہوتی ہے، علامہ ابن سبکی نے بھی اس کی پرزور تردید کی ہے، یہ الزام محض ابو اسمٰعیل انصاری سے مروی ہے، بعض دوسرے محدثین کے متعلق بھی ان کے اس قسم کے غیر معروف اور منفرد اقوال مروی ہیں جن کو محققین اور ناقدین فن نے خلاف واقعہ اور مطرود قرار دیا ہے، حاکم پر بھی ان کے الزام کی یہی نوعیت ہے، اس لیے اس پر کسی بحث کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی،

البتہ شیعیت کا الزام بظاہر قوی معلوم ہوتا ہے، اس لیے اسکا یہاں مفصل جائزہ لیا جاتا ہے،

جن لوگوں نے حاکم پر شیعیت کا الزام عائد کیا ہے ان کے اقوال کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حاکم کی شیعیت کا خلفائے ثلٰثہ اور دیگر صحابۂ کرام کے سب و شتم یا حضرت علیؓ کی تفضیل اور خلافت میں ان کی تقدیم سے کوئی تعلق نہیں تھا، ابن طاہر جیسے مخالف شخص کو بھی اعتراف ہے کہ

---

۱ تذکرة الحفاظ ج ۳ ص ۱۰۴۲ ۲ تاریخ بغداد ج ۵ ص ۴۷۴

"تقدیم و خلافت کے مسئلہ میں وہ تسنن کا اظہار کرتے تھے"۔

حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

"بعض علماء سے منقول ہے کہ ان کے تشیع کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کی فضیلت[۱] کے قائل تھے، جو اسلاف کی ایک جماعت کا بھی مذہب ہے"۔[۲]

اس لیے یہ امر بھی مسلم ہے کہ امام ابو عبد اللہ حاکم حضرت علیؓ کو نہ شیخین سے افضل مانتے تھے اور نہ ان کو ان بزرگوں کے مقابلہ میں خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، اس لیے اب صرف دو چیزیں لائق بحث رہ جاتی ہیں:

(۱) پہلی چیز حضرت علیؓ کی محبت و عقیدت میں غیر معمولی غلو و افراط ہے، جس کا ثبوت خطیب کی روایت میں ملتا ہے کہ حاکم نے حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب میں ضعیف و موضوع حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۲) دوسری چیز حضرت امیر معاویہؓ سے ان کی برہمی ہے، چنانچہ علامہ ذہبی رقمطراز ہیں:

"ان کا حضرت علیؓ کے مخالفین سے انحراف اگرچہ کھلا ہوا ہے لیکن وہ شیخین کو ہر حال میں فائق و معظم سمجھتے تھے، اس لیے وہ شیعی ضرور تھے لیکن رافضی نہیں تھے"۔[۳]

اور ابن طاہر کا یہ بیان نقل کیا ہے:

"حاکم حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی اولاد سے برگشتہ تھے، اور اس کا اظہار بھی کرتے تھے اور اس کے متعلق کوئی معذرت نہیں کرتے تھے"۔[۴]

ابن عماد کا بیان ہے کہ:

---

۱ حضرت شاہ صاحب کا بیان محل نظر ہے، آئندہ مباحث سے اسکی تردید ہوجائیگی ۲ بستان المحدثین ص ۱۱۴
۳ تذکرة الحفاظ ج ۳ ص ۱۰۴۸ ۴ ایضاً

"علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ حاکم خلفائے ثلٰثہ خصوصاً شیخین کی پوری تنظیم کرتے تھے، البتہ حضرت معاویہؓ کے بارہ میں انھوں نے کلام کیا ہے، اسکی وجہ سے ان کو زدوکوب کیا گیا تھا" [1]

حافظ ابن جوزی اور علامہ ابن کثیرؒ تحریر فرماتے ہیں :-

"ابوعبد الرحمٰن سلمی کا بیان ہے کہ ابوعبداللہ بن کرام کے اصحاب نے حاکم کو عبث تنگ کر رکھا تھا، انکا منبر توڑ ڈالا تھا اور ان کے لیے گھر سے نکلنا اور مسجد میں جانا تک دشوار کر دیا تھا، میں نے یہ حالت دیکھکر ان سے کہا کہ اگر آپ حضرت امیر معاویہؓ کے مناقب میں کسی کی حدیث کی تخریج یا املا کرا دیں تو اس مشقت و ابتلاء سے آپ کو چھٹکارا مل جائے، حاکم نے اس کے جواب میں تین دفعہ کہا کہ "مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا" [2]

جہانتک حضرت علیؓ کی محبت میں افراط و غلو کا معاملہ ہے تو اس کو اعتراض و ملامت یا شیعیت کی بنیاد قرار دینا صحیح نہیں ہے، بہت سے اکابر اور ائمۂ اسلام کو حضرت علیؓ اور اہل بیت کی محبت میں غلو رہا ہے، اس لیے حاکم کا غلو اسی وقت قابلِ اعتراض ہو سکتا ہے، جب دوسرے صحابہ کی عظمت و جلالت کا انھوں نے پاس و لحاظ نہ رکھا ہو، یا وہ حضرت علیؓ کو اجلۂ صحابہ پر فضیلت دیتے ہوں، لیکن خود حاکم کو شیعی قرار دینے والوں کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ وہ شیخین کی تنقیص نہیں کرتے تھے، بلکہ عام اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق وہ ان کو حضرت علیؓ سے افضل اور خلافت کے لیے اقدم و انسب سمجھتے تھے، اس لیے ان کا غلو نہ قابل اعتراض ہے اور نہ شیعیت کا ثبوت، حاکم کے حالات و واقعات زندگی اور تصنیفات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ انھوں نے خلفائے ثلاثہ پر حضرت علیؓ کو ترجیح دی، یا کم از کم ان بزرگوں کی کوئی تنقیص کی ہے، لیکن اس بارہ میں علامہ ابن سبکی کے ان اصولوں کی رہنمائی میں فیصلہ زیادہ مناسب ہے، وہ لکھتے ہیں :-

---

[1] شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۷۷، [2] المنتظم ج ۷ ص ۲۷۵ و البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۳۵۵

اگر کسی شخص کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے یا اس پر کوئی الزام عائد کیا جائے تو انصاف پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے شیوخ و اساتذہ اور رفقاء و تلامذہ وغیرہ کے متعلق بحث و تفتیش کی جائے، اس کے بعد اس کے ماحول اور ان حالات کا جائزہ لیا جائے، جن میں اس کی نشو و نما ہوئی ہے، پھر ان معاصرین، ہم وطنوں اور اعزہ و اقرباء کے اقوال و آراء معلوم کیے جائیں، جو اس کے حالات و واقعات زندگی سے زیادہ واقف اور باخبر ہوتے ہیں، معاصرین کے متعلق اس کی تحقیق ضرور کر لینی چاہیے کہ ان کے متہم شخص سے تعلقات کی نوعیت کیا تھی؛ وہ اس کے موافق، حمایتی اور دوست تھے یا معاند و مخالف اور معترض و نکتہ چیں یا بالکل غیر جانبدار لیکن معاصرین میں غیر جانبدار بہت کم ہوتے ہیں،

ان اصولوں کی روشنی میں امام حاکم کے تشیع و تفضیلِ علی کے الزام پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، یہ تو مسلّم ہے کہ وہ جلیل القدر محدث تھے، ان کی اس حیثیت میں ان کے مخالفین کو بھی کوئی کلام نہیں، اور محدثین میں ایسے عقائد شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں،

اس کے بعد حاکم کے ان شیوخ پر غور کیا جائے جن سے انھوں نے علم و فن کی تحصیل کی ہے، خصوصاً ان لوگوں کو دیکھا جائے جن سے ان کو زیادہ تعلق اور قربت رہا ہے، تو معلوم ہوگا کہ ان کے شیوخ میں اکابر اہل سنت اور ایسے لوگ ہیں جو عقائد میں امام ابوالحسن اشعری سے وابستہ تھے، جیسے ابوبکر بن اسحٰق ضبعی، ابوبکر بن فورک اور ابوسہل صعلوکی وغیرہ یہی وہ لوگ ہیں جن سے حاکم کی مجالست اور اصول و دیانات وغیرہ میں مباحثے اور مجادلے رہتے تھے،

اسی طرح حاکم نے اپنی تاریخ میں اہل سنت کے جو تراجم لکھے ہیں، ان میں اس کی پوری توصیف و تعریف کی گئی ہے، کہیں بھی ان کے عقائد پر طنز و تعریض نہیں ہے۔

اس کے علاوہ ابن عساکر نے ان کو ان اشاعرہ کے زمرہ میں شامل کیا ہے جو اہل رفض و تشیع کو مبتدع کہتے اور اس طرح کے عقائد سے تبری ظاہر کرتے ہیں۔[1]

یہ چیزیں بھی حاکم پر لگائے جانے والے الزام کو مشکوک بنا دیتی ہیں، آگے جو تفصیلات بیان کی جائیں گی ان سے یہ شکوک و شبہات سراسر یقین و اذعان میں تبدیل ہو جائیں گے اور پوری طرح ثابت ہو جائے گا کہ حاکم کا دامن رفض و تشیع کے الزام سے بالکل پاک ہے۔

(باقی)

[1] طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۶۷ - ۶۸

تذکرۃ المحدثین

حصہ اول

اس میں دوسری صدی ہجری کے آخر سے چوتھی صدی ہجری کے اوائل تک کے مشہور اور صاحب تصنیف محدثین کرام کے حالات و سوانح اور ان کی خدمات حدیث کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

مرتبہ ضیاء الدین اصلاحی رفیق دار المصنفین، قیمت ۵؍ منیجر

آٹھویں صدی ہجری میں اسلامی علوم وفنون کا ارتقاء

(ایک اجمالی جائزہ)

از حافظ محمد نعیم ندوی صدیقی، رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ

(۲)

تاریخ

۶۲۔ **نہایۃ الارب فی معرفۃ قبائل العرب**۔ احمد بن علی القلقشندی (م ۸۲۱ھ) اس میں بترتیب حروف ہجا عرب کے قبائل اور ان کے انساب کا تذکرہ ہے، مطبعہ ریاض بغداد سے ۴۰۲ صفحات میں ۱۳۳۲ھ میں چھپی۔

اس کے علاوہ قلقشندی کی تصنیفات میں ضوء الصبح المسفر، صبح الاعشیٰ اور قصیدہ فی مدح النبی کا ذکر بھی ملتا ہے، پہلی کتاب صبح الاعشیٰ کا اختصار ہے، جس کا تفصیلی ذکر آگے آئیگا۔

۶۳۔ **العبر و دیوان المبتداء والخبر**۔ علامہ عبد الرحمن بن خلدون (م ۸۰۸ھ) اصل نام کے بجائے عام طور پر تاریخ ابن خلدون کے نام سے مشہور ہے، آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے، جن میں پہلی جلد اس شہرۂ آفاق مقدمہ پر مشتمل ہے، جو بجا طور پر فلسفہ تاریخ کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے، مولف نے اس مقدمہ کو صرف پانچ مہینہ کی قلیل مدت میں لکھا ہے، اس کا سنہ تصنیف ۷۷۹ھ ہے۔

اس تاریخ نے ابن خلدون کو دنیائے علم و فن میں لازوال شہرت عطا کی ہے، اردو کے علاوہ فرانسیسی اور لاطینی زبانوں میں اس کے تراجم شائع ہو چکے ہیں، جو اسکی

مقبولیت کی دلیل ہیں۔ مطبعہ بولاق مصر سے ۱۲۸۴ھ میں پہلی بار مکمل تاریخ کی طباعت ہوئی۔

۶۴۔ المختصر فی اخبار البشر۔ ابو الفداء (۷۳۲ھ) تاریخ ابو الفداء کے نام سے مشہور عام ہے۔ اس کا مقدمہ اور ابتدائی پانچ فصلیں عہد قدیم کی تاریخ سے متعلق ہیں، اس کے بعد بہ ترتیب سنین اسلامی عہد کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ حوادث و واقعات کی ترتیب میں مؤلف نے الکامل لابن اثیر اور بعض دوسری مستند تاریخوں سے استفادہ کیا ہے، لاطینی اور دیگر یورپین زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں، صاحب المعجم کا بیان ہے کہ اسکے مطالعہ کے بعد انسان تاریخ کی مطول کتب کی ورق گردانی سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

۶۵۔ السلوک لمعرفۃ دول الملوک۔ علامہ تقی الدین ابو العباس احمد بن علی المقریزی (۸۴۵ھ) یہ کتاب مصنف کی وفات تک کے واقعات و حوادث پر مشتمل ہے، حافظ سخاوی نے التبر المسبوک کے نام سے اس کا ذیل بھی لکھا ہے۔

علامہ مقریزی آٹھویں صدی کے اواخر اور نویں صدی کے اوائل کے زود قلم مصنفین میں ہیں۔ سخاوی کا بیان ہے کہ میں نے خود مقریزی کے قلم کی تحریر دیکھی ہے کہ انھوں نے چھ سو شیوخ سے اکتساب فیض کیا اور دو سو سے زائد کتابیں تصنیف کیں، وہ تاریخ میں خاص عبور رکھتے تھے، اور اسی حیثیت سے ان کو عام شہرت حاصل ہوئی، مقریزی کی بعض لائق ذکر تصانیف یہ ہیں: اتعاظ الحنفا باخبار الائمۃ والخلفا، (دولت فاطمیہ اور قرامطہ کے بارے میں ہے۔ ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۱ء میں بعض مستشرقین کی توجہ سے شائع ہوئی)، الالمام (شاہان حبش کی تاریخ۔ کئی بار چھپ چکی ہے)۔ الاوزان والاکیال الشرعیۃ، البیان والاعراب، اخبار قبط مصر، الطرفۃ الغریبۃ، کتاب التنازع والتخاصم (بنو امیہ اور بنو ہاشم کے اختلافات کے بارے میں ہے)۔ المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار

یہ کتاب خطط مقریزی کے نام سے بہت مشہور ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسی نے مقریزی کو شہرت دوام کے دربار میں کرسی زرنگار پر بٹھایا ہے، اس میں مصنف نے چار جلدوں میں مصر اور اہل مصر کے بارے میں ہر قسم کے واقعات و حالات درج کیے ہیں، اور وہ اس عہد تک کے مصر کی انسائیکلوپیڈیا ہے، ۱۲۷۰ھ اور ۱۳۲۴ھ میں مصر سے شائع ہوئی، اس کے جغرافیائی حصہ کا ترجمہ فرنچ میں بھی ہو چکا ہے۔ خطط مقریزی پر ایک تفصیلی مقالہ "معارف" مئی و جون ۱۹۶۱ء میں شائع ہو چکا ہے، مزید وضاحت کے لیے اس سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

۶۶۔ نهایۃ الارب فی فنون العرب۔ علامہ شہاب الدین احمد بن عبد الوہاب النویری (۷۳۳ھ) یہ تیس ۳۰ جلدوں پر مشتمل ضخیم تاریخ ہے، جسے مصنف نے شاہ ناصر ابن محمد قلاوون کے زمانہ میں تالیف کیا، اس میں پانچ اشیاء کا بیان ہے (۱) آسمان زمین اور عالم سفلی (۲) انسان اور اس کے متعلقات (۳) حیوان (۴) نباتات (۵) تاریخ۔ ان میں سے ہر ایک کو مصنف نے پانچ فصلوں میں لکھا ہے۔ ۱۹۲۳ء سے دار الکتب المصریہ کے زیر اہتمام کتاب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا، صاحب المعجم کے بیان کے مطابق ۱۹۲۸ء تک اس کی ۶ جلدیں طبع ہو سکی تھیں، غالباً مکمل نہ ہو سکی۔

۶۷۔ درۃ الاسلاک۔ ابن حبیب الحلبی (۷۷۹ھ) اس میں مصنف نے ۶۴۸ھ سے ۷۷۷ھ تک کے سلاطین مصر کی تاریخ لکھی ہے، اس کے بعد سے ۸۰۲ھ تک کی تاریخ مصنف کے لائق صاحبزادے زین الدین طاہر نے بطور تکملہ لکھی ہے، یہ دونوں کتابیں ہالینڈ کے مستشرقین فاریس اور مروسبغ کی توجہ سے ۱۸۴۰ء میں دو حصوں میں شائع ہو چکی ہیں، علامہ حلبی کی اس کے علاوہ ایک اور تصنیف نسیم الصبا بھی ہے۔

۶۸۔ **خریدۃ العجائب**۔ عمر بن الوردی الشافعی (۷۵۰ھ) اس میں پہلے مختلف ملکوں اور شہروں کی مفصل تاریخ ہے، اور اس کے بعد معدنیات، نباتیات، اور حیوانات کے بارے میں مختلف النوع تفصیلات درج ہیں، ٹائپ اور لیتھو میں متعدد بار چھپ چکی ہے، اس کی افادیت کی وجہ سے بعض مستشرقین نے لاطینی میں بھی اس کو منتقل کیا ہے،

علامہ ابن الوردی فقہ، لغت، ادب اور نحو میں یگانۂ عصر تھے، نثر و نظم دونوں پر ان کو یکساں قدرت حاصل تھی، امام سبکی ان کے اشعار کو شراب سے زیادہ نشہ آور اور ہیرے سے زیادہ بیش قیمت قرار دیتے ہیں، بہت زود قلم تھے، خریدۃ العجائب کے علاوہ انکی دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں: احوال القیامۃ، الفیۃ ابن الوردی، بہجۃ الحاوی، تتمۃ المختصر فی اخبار البشر (تاریخ ابو الفداء کی تلخیص ہے)۔ التحفۃ الوردیۃ، لامیۃ ابن الوردی، نصیحۃ الاخوان۔

تراجم

۶۹۔ **مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان**۔ امام عبد اللہ بن اسعد الیافعی (۷۶۸ھ) اس میں سنین کی ترتیب سے اہم تاریخی حوادث و واقعات اور مشاہیر فضلاء کے مختصر حالات درج ہیں، چار جلدوں میں حیدر آباد سے ۱۳۳۷ھ میں طبع ہوئی، اس کے علاوہ علامہ یافعی کی پانچ تصانیف اور بھی ہیں۔ الدر النظیم فی خواص القرآن۔ روض الریاحین فی حکایات الصالحین۔ مختصر روض الریاحین۔ مرہم العلل المعضلۃ۔ نشر المحاسن الغالیۃ۔

۷۰۔ **الطالع السعید**۔ ابو الفضل جعفر بن ثعلب الادفوی۔ یہ کتاب مؤلف نے اپنے شیخ ابو حیان الاندلسی کے مشورہ سے لکھی تھی، اس میں انھوں نے صرف قوص اور اس کے اطراف وجوانب کے شہروں کے فضلاء کے تراجم تحریر کیے ہیں، بقول صاحب المعجم

هو اول ما الف من نوعه   یہ خاص طور پر اہل صعید کے بارے میں

خاصاً باهل الصعید   اپنے نوع کی پہلی تالیف ہے۔

مطبعہ جمالیہ سے ۱۹۱۴ء میں طبع ہوئی۔

۷۱۔ **الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ**۔ محی الدین بن ابی الوفاء القرشی (۷۷۵ھ) رجال حنفیہ کے تراجم میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے، دو جلدوں میں حیدر آباد سے ۱۳۳۲ھ میں شائع ہوئی ہے۔

۷۲۔ **میزان الاعتدال**۔ علامہ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (۷۴۸ھ) اس میں مصنف علام نے رواۃ و رجال حدیث کے حالات و سوانح اور فنی کارناموں کو جمع کیا ہے، خلیفہ چلپی اس کی توصیف میں لکھتے ہیں

هو کتاب جلیل فی ایضاح نقلۃ العلم النبوی   علم نبوی کے ناقلین کے بارے میں یہ بہت جلیل القدر کتاب ہے۔

علامہ ذہبی آٹھویں صدی کی ان مایہ ناز شخصیتوں میں ہیں جنھوں نے علم و فن کی ہر شاخ میں سدا بہار پھول کھلائے ہیں، بارہ ۱۲ جلدوں پر مشتمل ان کی مشہور تاریخ اسلام کو متقدم مؤرخین کی تصانیف پر بھی سبقت حاصل ہے، پھر اسی کتاب سے ملخص کرکے انھوں نے کئی کتابیں علیحدہ علیحدہ لکھیں، جن میں العبر، سیر النبلاء، طبقات الحفاظ، طبقات القراء، مختصر التاریخ، مختصر تہذیب الکمال للمزی، مختصر المستدرک للحاکم وغیرہ مشہور ہیں، ان کے علاوہ ذہبی کی چند لائق ذکر تصانیف یہ ہیں:

۷۳۔ **تجرید اسماء الصحابہ**۔ یہ ابن اثیر کی مشہور تصنیف اسد الغابہ کی بہترین تلخیص ہے، کہنے کو یہ ایک مطول کتاب کا اختصار ہے، لیکن کمیت کے اعتبار سے اصل سے بھی بڑھی ہوئی ہے، مشہور روایت کے مطابق اسد الغابہ میں ساڑھے سات ہزار ۷۵۰۰ صحابۂ کرام کے ترجمے

مذکور ہیں۔ لیکن ذہبی کی تالیف کے دونوں حصوں میں آٹھ ہزار آٹھ سو نو (۸۸۰۹) رواۃ کی تحقیق کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اسد الغابہ میں مندرج اسماء کے علاوہ اور بہت سے ناموں کا اضافہ کیا ہے، انھوں نے آغاز کتاب میں خود اس کی تصریح کردی ہے کہ میں نے اس کتاب میں اصل تصنیف (اسد الغابہ) پر اضافہ کرکے بہت سے ان صحابہ کرام کا بھی تذکرہ لکھا ہے، جو حمص میں آباد ہوئے۔" ۱۳۱۵ھ میں حیدرآباد سے طبع ہوئی، پہلی جلد میں ۳۴۳ اور دوسری میں ۳۶۴ صفحات ہیں۔

۷۴۔ **تذکرۃ الحفاظ**۔ اس میں مصنف نے حفاظ حدیث کے مختلف طبقات قائم کرکے بعض کے مختصر اور بعض کے تفصیلی تراجم تحریر کئے ہیں، حیدرآباد سے چار جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔

۷۵۔ **طبقات الشافعیۃ الکبریٰ**۔ علامہ تاج الدین ابو النصر عبد الوہاب بن علی السبکی (۷۷۱ھ) چھ جلدوں پر مشتمل یہ کتاب رجال شافعیہ کے تراجم میں مستند ترین تصنیف ہے۔ اس میں پہلے ان علماء کا ذکر ہے جو امام شافعی علیہ الرحمہ کے دیدار سے مشرف ہوئے، پھر احمد نام کے اور اس کے بعد محمد نام کے ائمہ کا بیان ہے۔ اور ان سب کے بعد باعتبار حروف ہجا، تراجم تحریر کیے گئے ہیں، مطبعہ حسینیہ مصر سے ۱۳۲۴ھ میں طبع ہوئی۔

قاضی القضاۃ علامہ سبکی حدیث، فقہ، اصول اور عربیت میں یکتائے زمانہ تھے، مصر و شام کے مختلف مناصب اور عہدوں پر فائز رہے۔ مذکورۂ بالا کتاب کے علاوہ درج ذیل تصانیف ان کی یادگار ہیں:

جمع الجوامع فی اصول الفقہ (مصر سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے)۔ معید النعم (لیڈن سے ۱۹۰۸ء میں طبع ہوئی، اس کے ساتھ ڈی، ڈبلو میہران (D. W. Myhrman) کے قلم سے انگریزی زبان میں ایک مبسوط اور وقیع مقدمہ بھی شامل ہے) منع الموانع (یہ

کتاب جمع الجوامع کی تعلیق ہے)

۷۶۔ **فوات الوفیات**۔ علامہ محمد بن شاکر الکتبی (م ۷۶۴ھ) یہ ابن خلکان کی مشہور آفاق تصنیف وفیات الاعیان کا ذیل ہے، اس میں ۵۰۲ علماء کے تراجم ہیں، جن میں ۱۱ کے علاوہ سب ابن خلکان پر اضافہ ہیں، بولاق مصر سے دو جلدوں میں ۱۲۸۳ھ ۱۲۹۹ھ میں طبع ہوئی، مصنف کتابوں کے بہت بڑے تاجر تھے، اسی نسبت سے کتبی کہلاتے ہیں، تجارت کتب کے ذریعہ انھوں نے بڑی دولت پیدا کی، فوات الوفیات کے علاوہ ان کی تین غیر مطبوعہ کتابوں کے نام اور بھی ملتے ہیں، عیون التاریخ، روضۃ الازہار و حدیقۃ الاشعار۔ اول الذکر بترتیب سنین ۲ جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم تاریخ ہے، برٹش میوزیم، کتبہ وانیکا نیا برا، پیرس اور دمشق میں اس کے متفرق مخطوطہ اجزاء ملتے ہیں۔

۷۷۔ **اعمال الاعلام**۔ وزیر لسان الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب (۷۷۶ھ) کتاب کا پورا نام "اعمال الاعلام فیمن بویع قبل الاحتلام من ملوک الاسلام وما یتعلق بذالک من الاحکام" ہے، جیسا کہ اس نام سے ظاہر ہے یہ تاریخ و تراجم کا مجموعہ ہے، حصہ اول میں مشرقی ممالک کے سلاطین اور حرمین کے علوی حکمرانوں کے حالات درج ہیں، دوسری جلد اندلس اور اس کے گرد و نواح کے فرمانرواؤں کے حالات میں ہے، آخر الذکر حصہ اٹلی سے ۱۹۱۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ ابھی پوری کتاب زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکی ہے، جرجی زیدان نے سوء تفاہم کی بنا پر اپنی کتاب تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ (۳/۲۱۶) میں اس کی پوری طباعت کا ذکر کیا ہے، ۱۲۱۷ھ کا ایک قلمی نسخہ خزانہ تیموریہ میں ہے۔

امام لسان الدین الخطیب اس صدی کے نہایت کثیر التصانیف فضلاء میں تھے۔ ان کی اکثر تصانیف مخطوطات کی شکل میں ہیں، اب تک جو کتابیں کلی یا جزوی طور پر

چھپ چکی ہیں۔ ان میں مذکورہ بالا کتاب کے علاوہ الاحاطہ فی اخبار غرناطہ (اس میں مشاہیر غرناطہ کے حالات ہیں، صرف دو حصے مصر سے ۱۳۱۹ھ میں شائع ہوئے)۔ الاختیار فی ذکر المعاہد والدیار (مراکش میں ۱۳۲۵ھ میں طبع ہوئی)۔ الحلل الموشیۃ (مراکش کی تاریخ ہے، متعدد بار چھپی)۔ رقم الحلل فی نظم الاول (سنہ طباعت ۱۳۱۶ھ) المقالۃ المسماۃ بمقنعۃ السائل ایک ۴۰ صفحات کا کتابچہ ہے۔ اس میں غرناطہ کے ۷۴۹ھ کے ہولناک طاعون کی تفصیل درج ہے، جرمن میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ دونوں ایک ساتھ ۱۸۶۳ء میں طبع ہوئے)۔

کلام و عقائد

۷۸۔ **الاعتصام**۔ امام ابو اسحاق شاطبی (۷۹۰ھ) مصنف کی اصول فقہ میں ایک کتاب "الموافقات" کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ زیر نظر تصنیف بھی انہی کی کاوش فکر کا ثمرہ ہے، اس میں اثبات توحید کے ساتھ بدعت کی تعریف، اس کے مآخذ، احکام اور اقسام وغیرہ پر شرح و تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، نیز بدعت، مصالح اور استحسان کے درمیان فرق کو واضح کیا گیا ہے، اس کے مباحث دس ابواب میں منقسم ہیں، علماء نے اپنے موضوع پر اسے بے نظیر کتاب قرار دیا ہے۔ شروع میں علامہ رشید رضا مصری کے سحر نگار قلم سے ایک فاضلانہ مقدمہ ہے۔ تین جلدوں میں المنار پریس مصر سے ۱۹۱۳ء میں طبع ہوئی۔

۷۹۔ **شرح عقیدۃ الطحاوی**۔ شیخ عمر بن اسحاق الہندی (۷۷۳ھ)۔ یہ امام ابو جعفر الطحاوی کے مختصر مگر جامع رسالہ عقیدۃ الطحاوی کی شرح ہے، اصل کتاب کے ساتھ ۱۳۱۱ھ میں قازان سے شائع ہوئی ہے۔

شیخ ہندی آٹھویں صدی کے ان ہندوستانی علماء میں ہیں جن کو ذہانت و فطانت، نکتہ رسی اور باریک بینی میں نہایت ممتاز مقام حاصل تھا، مذکورۃ الصدر شرح کے علاوہ متعدد کتابوں کے مصنف تھے، جن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:-

شرح الہدایۃ، زبدۃ الاحکام، شرح بدیع الاصول، شرح المغنی۔ ان تصانیف کی مقبولیت کے بارے میں صاحب المعجم کا بیان ہے کہ "سارت بہا الرکبان"۔

۸۰۔ **شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام**۔ شیخ تقی الدین ابو الحسن علی بن عبد الکافی السبکی (۷۵۶ھ) یہ کتاب اہل بدعت کے نظریات کی تائید میں لکھی گئی ہے، اس میں مقامات مقدسہ اور مزارات اولیاء کی زیارت کے لیے شد رحال اور ان سے حصول خیر و برکت کو جائز ثابت کیا گیا ہے۔ اور ان عقائد کے مخالفین بالخصوص شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر سخت تنقید کی گئی ہے، پوری کتاب دس ابواب میں منقسم ہے، یہ "شن الغارۃ علی من انکر السفر للزیارۃ" کے نام سے بھی مشہور ہے، جس سے کتاب کا مقصد تالیف واضح ہے، حیدرآباد اور مصر سے ۱۳۱۵ھ میں ۲۰۸ صفحات پر شائع ہو چکی ہے۔ مصری اڈیشن میں مفتی شیخ محمد بخیت کا ایک مقدمہ بھی شامل ہے۔

اہل بدعت کے نزدیک اس کی مقبولیت اور درجہ استناد کا یہ عالم ہے کہ مولانا شاہ محمد عز الدین پھلواروی نے کشف الظلام کے نام سے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جو ۲۰۸ صفحات پر برقی پریس سبزی باغ پٹنہ میں طبع ہوا۔ اس کے شروع میں فاضل مترجم نے مولف کے سوانح حیات بھی تحریر کیے ہیں۔

۸۱۔ **الکافیۃ الشافیۃ**۔ لابن قیمؒ اس میں توحید ذاتی و صفاتی کا اثبات، فرق باطلہ کے عقائد کا ابطال اور فرقہ ناجیہ کے ضروری عقائد کا ذکر ہے، اور بدعات وغیرہ سے اجتناب کے طریقوں کو بڑی خوش اسلوبی سے بیان کیا گیا ہے، یہ کلام و عقائد سے متعلق بہت مفید تصنیف ہے، "قصیدہ نونیہ ابن قیم" کے نام سے بھی مشہور ہے، بقول صاحب کشف الظنون یہ ۶ ہزار اشعار پر مشتمل ہے، جو ناظم کے قدرت کلام اور کمال فن کی بین دلیل ہے، ۲۸۰ صفحات پر

آگرہ سے ۱۳۰۶ھ میں شائع ہوئی۔

۸۲۔ **مطلع خصوص الکلم**۔ علامہ شرف الدین محمد القیصری (۷۵۱ھ) یہ فصوص الحکم
شیخ اکبر کی شرح ہے۔ شروع میں شارح کے قلم سے ۵۵ صفحات کا مقدمہ ہے، جو ذیل کی بارہ فصلوں
میں منقسم ہے، وجود، اسمائے باری تعالی، اعیان ثابتہ، جوہر و عرض، بیان العوالم الکلیہ،
عالم مثال، مراتب الکشف، عالم ہو عودۃ الحقیقۃ الانسانیہ، بیان خلافۃ الحقیقۃ المحمدیہ،
بیان الروح الاعظم، عود الروح، النبوۃ والولایۃ والرسالۃ۔ اصل شرح زیادہ تفصیلی
نہیں لیکن اس سے متن کے مشکلات پوری طرح واضح ہوجاتے ہیں، تعداد صفحات ۵۵۸۔

۸۳۔ **حادی الارواح**۔ ابن قیم (۷۵۱ھ) علم کلام کی اس کتاب کے ساتھ ابن قیم
کی ایک شہرۂ آفاق تصنیف، اعلام الموقعین عن رب العالمین بھی شامل ہے، مؤلف نے طریقہ
یہ اختیار کیا ہے کہ کتاب کے ایک ہی صفحہ کے نصف اول پر مقدم الذکر تصنیف اور نصف
ثانی پر موخر الذکر کتاب لکھی ہے، دوسری کا تعلق علم فقہ سے ہے۔ اعلام الموقعین تین جلدوں
پر مشتمل ہے، لیکن حادی الارواح اس سے نسبتہً مختصر ہے، اس لیے وہ جلد دوم کے صفحہ
۲۷۲ پر بترتیب بالاختم ہوگئی ہے، اور اس کے بعد پھر آخر تک ثانی الذکر کتاب تنہا ہے۔
حادی الارواح میں مؤلف نے جنت اور اس کے متعلقات کا بہت شرح و بسط
کے ساتھ ذکر کیا ہے، محققین کا خیال ہے کہ اس موضوع پر اتنی تفصیل کے ساتھ مستقل طور
پر شاید ہی کوئی کتاب مل سکے گی، اعلام الموقعین میں فقہائے صحابہ کرام اور تابعین عظام
کی تعداد، اصولی وفروعی مسائل، قیاس وتقلید اور بہت سے اہم دینی مباحث کا بیان
ہے، نہایت مفید اور کارآمد کتاب ہے۔ دونوں کتابیں ساتھ ساتھ مطبعۃ النیل مصر
سے ۱۳۲۵ھ میں طبع ہوئیں، تینوں جلدوں کے صفحات کی تعداد بترتیب ۴۰۰، ۴۴۸، ۱۱۔

۵۶۸ ہے۔

علامہ ابن قیم آٹھویں صدی کے نہایت کثیر التصانیف فضلا میں تھے، زیر نظر کتابوں
کے علاوہ مختلف فنون میں ان کی بیش قیمت قابل قدر کتابیں اور بھی ہیں، جن کے نام یہ ہیں:
زاد المعاد، شفاء العلیل، الطرق الحکمیہ، مفتاح دار السعادۃ، ہدایۃ الحیاری من الیہود
والنصاری، اجتماع الجیوش الاسلامیہ، اخبار النساء، اغاثۃ اللہفان فی مصائد الشیطان
بلوغ السول من اقضیۃ الرسول، التبیان فی اقسام القرآن، الجواب الکافی لمن سأل
عن الدواء الشافی، کتاب الروح، طریق الہجرتین، عدۃ الصابرین، کتاب الفوائد
المشوق الی علوم القرآن، القصیدۃ النونیہ، کتاب الصلوٰۃ واحکام تارکہا،
مدارج السالکین۔ یہ سب طبع ہوچکی ہیں، ان میں سے جن کے متعلق تفصیلات دستیاب
ہوسکیں وہ اس جائزے میں متفرق فنون کے تحت پیش کردی گئی ہیں۔

۸۴۔ **کشف الفوائد**۔ جمال الدین حسن بن یوسف الحلی (۷۲۶ھ) یہ محقق طوسی
کی مشہور تصنیف قواعد العقائد کی شرح ہے، جو کلامی مسائل میں شیعی مذہب کی تالیف ہے۔
علامہ حلی کی زیر نظر شرح بہت مفصل ومطول ہے، طہران سے ۱۳۰۵ھ میں طبع ہوئی۔

۸۵۔ **کتاب الایمان**۔ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) اس کتاب کا اصل موضوع ایمان و
اسلام کی تفسیر ہے، مؤلف علام نے ان دونوں کے فرق کو بہت خوبی سے نمایاں کیا ہے۔
اس مبحث کے ضمن میں بہت سے اہم دینی مسائل کا ذکر بھی آگیا ہے، جو افادیت سے خالی نہیں۔
۲۷۰ صفحات پر ۱۳۱۱ھ میں مطبعہ انصاری دہلی سے شائع ہوئی۔

۸۶۔ **حاشیۃ الاصفہانی علی التجرید**۔ امام شمس الدین الاصفہانی (۷۴۶ھ)
علم کلام میں محقق نصیر الدین الطوسی کی کتاب تجرید العقائد کافی مشہور ہے، اس کی مقبولیت

کی وجہ سے بہت سے علماء نے اس کے شروح و حواشی لکھے ہیں، جن میں زیر نظر حاشیہ کے علاوہ سید شریف جرجانی، علامہ خیالی (۸۶۰ھ)، امام قوشجی (۸۷۹ھ) کی شروح قابل ذکر ہیں، صاحب کشف الظنون نے حاشیۂ اصفہانی کے بارے میں علامہ قوشجی کا درج ذیل قول نقل کیا ہے، جس سے اس کی وقعت کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔

ان السید الفاضل قد علق علیہ حواشی تشتمل علی تحقیقات رائقۃ وتدقیقات شائقۃ تنفجر من ینابیع تحریراتہ انہار الحق	بلاشبہ فاضل اصفہانی نے تجرید کے ایسے حواشی لکھے جو تحقیق و تدقیق کا شاہکار قرار دیے جانے کے مستحق ہیں، ان کی تحریر کے چشموں سے حق و صواب کی نہریں پھوٹتی ہیں۔

خراج تحسین کی یہ آخری حد ہے۔

امام اصفہانی نے تجرید العقائد کی ایک مستقل شرح بھی **تشیید القواعد** کے نام سے تحریر کی ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ "تجرید" کی سب سے پہلی شرح ہے، غالباً اسی باعث یہ "شرح قدیم" کے نام سے مشہور ہے، اس کا ۸۵۸ھ کا لکھا ہوا ایک مخطوطہ دار العلوم ندوہ کے کتب خانہ میں ہے۔

۸۷۔ **شرح عقائد النسفی**۔ علامہ سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۱ھ)۔ یہ علم عقائد کے متداول ترین رسالہ عقائد نسفی (مصنفہ شیخ نجم الدین ابو حفص النسفی ۵۳۷ھ) کی مشہور شرح ہے، متعدد دوسرے علماء نے بھی اس کی شرحیں لکھیں، لیکن آج عربی مدارس کے حلقہائے درس میں جس شرح عقائد نسفی کی گونج سنائی دیتی ہے وہ علامہ تفتازانی کی ہی زیر نظر کاوش فکر ہے۔ بارہا طبع ہو چکی ہے۔

۸۸۔ **شرح مقاصد تفتازانی**۔ علامہ مسعود بن عمر تفتازانی آٹھویں صدی کے زود قلم مصنفین میں تھے، اس جائزہ میں ان کی متعدد کتابوں کا ذکر آ چکا ہے، زیر نظر شرح اور اس کا متن دونوں ان ہی کے ذہن و دماغ کا ثمرہ ہیں، دو جلدوں پر مشتمل یہ شرح ۷۸۴ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی جب کہ مصنف سمرقند میں مقیم تھے، کئی بار چھپ چکی ہے۔

۸۹۔ **الرد علی المنطقیین**۔ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ الحرانی (م ۷۲۸ھ) جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے، مصنف نے اس میں بڑی تحقیق اور ژرف بینی کے ساتھ منطق اور اہل منطق پر تنقید کی ہے، اس کی افتتاحی سطور میں خود رقمطراز ہیں،

انی کنت دائما اعلم ان المنطق الیونانی لا یحتاج الیہ الذکی ولا ینتفع بہ البلید	میں ہمیشہ سے اس بات کو جانتا تھا کہ کسی بھی ذہین انسان کو یونانی منطق کی ضرورت نہیں اور نہ کوئی کند دماغ ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

اب یہ کتاب چھپ چکی ہے، ۱۹۲۳ء کا ایک مخطوطہ دار المصنفین کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۹۰۔ **مطالع الانظار**۔ علامہ شمس الدین محمود بن عبد الرحمن الاصفہانی (م ۷۴۹ھ)، یہ دراصل قاضی عبد اللہ بیضاوی کی تالیف طوالع الانوار کی شرح ہے۔ افسوس کہ تشنۂ تکمیل ہی رہ گئی، شارح صفات باری تعالیٰ میں صرف "ارادہ" کے بیان تک شرح لکھ سکے، بعض اہل نظر کی رائے میں طوالع الانوار کی جملہ شروح میں زیر نظر شرح سب سے زیادہ نافع ہے، اور اسی باعث فضلاء اور طلبہ کا عام مرجع بنی

صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ یہ کتاب شاہ ناصر بن قلادون کے نام معنون کی گئی ہے، جو صحیح نہیں ہے، بلکہ سلطان مذکور کے ایک مقرب امیر قاصون الساقی کی طرف اس کتاب کا انتساب ہے، ۳۶۸ صفحات پر مشتمل اس کا ایک مخطوطہ رام پور کے کتب خانہ میں ہے۔

شارح گو ساتویں صدی کے ربع آخر میں پیدا ہوئے، لیکن انکی عمر کا بیشتر اور بہتر حصہ آٹھویں صدی کے نصف اول میں گذرا ہے، اسی زمانہ میں انھوں نے بکثرت کتابیں لکھ[کر] اپنے علمی وفکری کمالات کو نمایاں کیا۔ ان کی قلمی کاوشوں کا تقریباً تمام ذخیرہ شروح پر مشتمل ہے، مثلاً شرح مختصر ابن الحاجب، شرح منہاج للبیضاوی، شرح المطالع شرح بدیعیہ وغیرہ۔

۹۱- **مجموعۃ الرسائل الکبریٰ**۔ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ الحرانی (۷۲۸ھ) دو جلدوں پر مشتمل یہ کتاب مختلف کلامی موضوعات پر ابن تیمیہ کے اٹھائیس [۲۸] رسائل کا مجموعہ ہے، پہلی جلد میں چودہ [۱۴] اور دوسری میں سولہ [۱۶] رسالے ہیں، ۱۳۲۳ھ میں پہلی بار مصر کے مطبعۃ العامرۃ الشرقیہ سے طبع ہوئی، علاوہ ازیں اسی سال مطبعۃ الحسینیہ مصر نے بھی کچھ منتخب رسائل کا مجموعہ شائع کیا

منطق وفلسفہ | ۹۲- **تحریر القواعد المنطقیہ**۔ علامہ قطب الدین محمود بن محمد الرازی (۷۶۶ھ) فن منطق میں شیخ نجم الدین القزوینی کی تصنیف "الرسالۃ الشمسیہ فی القوا[عد] المنطقیہ" مشہور آفاق ہے، یہ اسی کی شرح ہے، رسالہ قطبیہ کے نام سے بھی معروف ہے خلیفہ چلپی کے بیان کے مطابق مصنف نے یہ کتاب سلطان خدابندہ کے ایک وزیر غیاث الدین ابن خواجہ رشید کے لیے لکھی تھی، مختلف صدیوں کے لکھے ہوئے اسکے متعدد قلمی نسخے کتب خا[نہ]

خدیویہ مصر میں موجود ہیں، کئی بار طبع ہو چکی ہے، سید علی بن محمد (۸۱۶ھ) نے "حاشیۃ السید الشریف" کے نام سے اس کا حاشیہ لکھا ہے، جس کے آغاز میں محشی کے قلم سے ایک مبسوط اور وقیع مقدمہ بھی شامل ہے۔

اس کتاب کے علاوہ علامہ قطب الدین الرازی کی درج ذیل تالیفات اور بھی ہیں، تحقیق معنی التصور والتصدیق (تونس میں ۱۳۸۱ھ میں چھپی)۔ لوامع الاسرار (مطالع الانوار مولفہ قاضی محمود بن ابی بکر الارموی کی شرح ہے، طہران سے ۱۳۱۴ھ میں اور قسطنطنیہ سے ۱۳۰۳ھ میں شائع ہوئی)، المحاکمات (مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۲۹۰ھ) لطائف الاسرار (قلمی نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر)

۹۳- **شرح تعدیل العلوم**۔ امام صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود (۷۴۷ھ)، اصل کتاب اور شرح دونوں امام صاحب ہی کی کاوش فکر کا شاہکار ہے، یہ تین ابواب میں تقسیم ہے، پہلا باب منطق کے مباحث، دوسرا کلام اور تیسرا علم ہیئت سے متعلق ہے، مصنف نے اسے اپنی وفات کے سال یعنی ۷۴۷ھ میں ۳ ربیع الاول بروز سہ شنبہ بخارا میں مکمل کیا، اس کا بارہویں صدی کا ایک مخطوطہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں ہے۔

نحو وصرف | ۹۴- **شرح الشافیہ**۔ سید عبد اللہ بن محمد نقرہ کار (م ۷۷۶ھ)، علم صرف میں امام ابن حاجب المالکی کی تصنیف "الشافیہ" اس حیثیت سے نہایت ممتاز ہے کہ ہر زمانہ میں علمائے فن کی ایک بڑی جماعت نے اس کے شروح وحواشی لکھنے کی طرف توجہ کی، صرف ایک آٹھویں صدی میں اس کی تین لائق ذکر شرحیں لکھی گئی ہیں، پہلی سید نقرہ کار کی زیر نظر شرح جو ۷۶۲ھ میں مکمل ہوئی، دوسری شرح علامہ جاربردی کی اور تیسری خضر الیزدی کی ہے، تینوں کے متعدد قلمی نسخے کتب خانہ خدیویہ مصر میں ہیں، اول الذکر شرح ۱۲۷۹ھ

میں طبع بھی ہو چکی ہے۔

۹۵۔ **علامہ حسام الدین ابن عطیہ البجرانی**۔ یہ شافیہ ابن الحاجب کا اختصار اور شافیہ
کافیہ کی شرح ہے۔ جمادی الاخری ۶۹۵ھ میں مولف اس کی تحریر سے فارغ ہوئے۔

۹۶۔ **التذییل والتکمیل**۔ امام اثیر الدین ابن حیان الاندلسی (۷۴۵ھ) فن نحو میں
علامہ جمال الدین ابن مالک (م ۶۷۲ھ) کی کتاب تسہیل الفوائد وتکمیل المقاصد اہل علم
کے لیے محتاج تعارف نہیں، اس کی شروح میں آٹھویں صدی کی دو شرحیں بہت ممتاز ہیں،
ایک ابن حیان کی چھ جلدوں پر مشتمل زیر نظر شرح التذییل اور دوسری علامہ ابن ام قاسم
(۷۴۹ھ) کی دو جلدوں میں شرح التسہیل۔ دونوں کے متعدد مخطوطات کتب خانہ خدیویہ مصر
میں محفوظ ہیں۔

۹۷۔ **شرح الفیہ**۔ علامہ ابن مالک کی فن نحو میں مذکورۂ بالا کتاب تسہیل کے علاوہ سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت
جس کتاب کو نصیب ہوئی وہ الفیہ ہے، اسکی وقعت واہمیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ہر عہد میں اسکی شرحیں
لکھنے کا اہتمام کیا گیا، صرف آٹھویں صدی ہی میں اسکی چار ممتاز شروح لکھی گئیں، امام برہان الدین
الابناسی نے اپنی شرح الالفیہ کو ۱۰ شوال ۷۶۵ھ کو مسجد اقصیٰ میں بیٹھکر مکمل کیا، اس کا
شارح کے عہد کا ایک مخطوطہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں ہے، دوسری شرح قاضی القضاۃ
علامہ ابن عقیل القرشی (۷۶۹ھ) کی ہے، جو پہلی بار ۱۲۷۹ھ میں مصر سے ٹائپ میں طبع
ہوئی، پھر مطبعہ محمد آفندی مصطفے سے ۱۳۰۱ھ میں لیتھو طباعت میں چھپی، اسکے علاوہ
۱۳۰۷ھ میں یہ مطبعہ خیریہ سے بھی طبع ہو چکی ہے، تیسری شرح علامہ بدر الدین ابن ام قاسم
(۷۴۹ھ) نے لکھی ہے، جس کے کئی مخطوطات مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں محفوظ ہیں، چوتھی
شرح ابو زید عبد الرحمن بن علی المکودی کی مولفہ ہے، جو متعدد بار زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔

۹۸۔ **غیث المواہب العلمیۃ**۔ امام ابن عباد النفزی (م ۷۹۲ھ)
یہ علامہ احمد بن محمد السکندری (۷۰۶ھ) کی تصنیف الحکم العطائیۃ کی دو جلدوں میں شرح
ہے اس میں مؤلف کے وہ ملفوظات وافادات مذکور ہیں، جو انھوں نے اپنے مریدین و
معتقدین کی خصوصی مجلسوں میں بیان کیے، شارح نے اجمالی مطالب کی تفصیل کر دی ہے
جلد اول کے صفحات کی تعداد ۹۸ اور جلد دوم کی ۹۵ ہے، مصر میں ۱۳۲۴ھ میں چھپ چکی ہے۔

۹۹۔ **البرکۃ فی فضل السعی والحرکۃ**۔ امام محمد بن عبد الرحمن الیمنی (۷۸۲ھ)
یہ مختلف مباحث کا بوقلموں مجموعہ ہے، پوری کتاب میں بتفصیل ذیل سات ابواب ہیں:
(۱) کھیتی باڑی کی فضیلت (۲) کتائی بنائی (۳) فقر سے مامون رہنے اور حصول برکت
کی تدابیر (۴) طب سے متعلق احادیث وآثار (۵) لفظ برکت پر مشتمل چالیس حدیثیں
(۶) اذکار وادعیہ (۷) ماثور دعائیں۔ اس کے تین مخطوطات خدیویہ لائبریری مصر میں ہیں۔

۱۰۰۔ **مشارق الاشواق**۔ شیخ محی الدین احمد بن ابراہیم النحاس الدمشقی
(م ۸۱۴ھ)۔ اس میں مصنف نے مختلف ماخذوں سے جہاد کے فضائل اخذ کر کے
ننس ابواب میں جمع کر دیے ہیں، صاحب المعجم نے اسے اپنے موضوع پر بے نظیر کتاب
قرار دیا ہے، مصنف نے ۲۴۴ صفحات اور بیس ابواب میں اس کا اختصار بھی لکھا ہے،
جو بولاق مصر سے ۱۲۴۲ھ میں طبع ہوا۔

۱۰۱۔ **الطراز المتضمن لاسرار البلاغۃ**۔ امام یحیی بن حمزہ الیمنی (۷۴۹ھ)
دار الکتب المصریہ سے تین جلدوں میں شائع ہوئی، صفحات کی تعداد علی الترتیب ۴۳۵۔ ۴۰۸
اور ۴۰۶ ہے۔ مصنف کی اس کے علاوہ بھی کئی اور کتابیں ہیں۔

۱۰۲۔ **روض الریاحین**۔ علامہ ابو محمد عبد اللہ بن اسعد الیافعی (۷۶۸ھ) اس میں

مصنف نے صلحاء و اخیار اور اکابر صوفیہ کی پانچ سو بصیرت افروز حکایتیں جمع کردی ہیں، یہ کتاب بولاق سے ۱۲۸۶ھ، مطبع شرفیہ سے ۱۳۰۱ھ اور مطبع عبدالرزاق سے ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوئی (غالباً یہ تینوں مطبعات مصر ہی کے ہیں۔)

۱۰۳- **سراج القاری**۔ ابن القاصح البغدادی (۸۰۱ھ) یہ امام القراء شاطبی کی شہرہ آفاق منظوم تصنیف شاطبیہ کی شرح ہے، امام شاطبی یوں تو لغت اور علم رویا کے بڑے ماہر تھے، لیکن ان کے دفتر کمال کا درخشاں ترین باب قرأت کلام پاک ہے، اپنے عہد میں وہ اس فن کے صدر نشین شمار ہوتے تھے، انھوں نے مسائل قرأت کے بارے میں "حرز الامانی و وجہ التہانی" کے نام سے ایک منظوم کتاب تصنیف کی تھی، جو ایک ہزار ایک سو تہتر اشعار پر مشتمل ہے، یہ عام طور پر "شاطبیہ فی القرأت" کے نام سے مشہور ہوئی۔

علامہ یاقوت رومی اس کی توصیف میں رقم طراز ہیں:

لقد ابدع فیہا کل الابداع — اس میں مصنف نے اس قدر صناعی کا
لم یسبق الی اسلوبہا — ثبوت دیا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

اس کی غیر معمولی اہمیت کی بنا پر اس کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں، جن میں ابن القاصح کی زیر نظر شرح بہت ممتاز ہے۔ اور کئی بار چھپ چکی ہے۔

۱۰۴- **آکام المرجان فی احکام الجان**۔ شیخ محمد بن عبداللہ الشبلی الحنفی (م ۷۶۹ھ) اس کتاب میں مؤلف علام نے قرآنی نصوص اور اخبار متواترہ سے جنات کے وجود کو ثابت کیا ہے، اور ان کے اخبار و احکام کے بارے میں محدثین کے مسلک پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، اس میں ایک سو چالیس ابواب ہیں، تعداد صفحات ۲۳۱۔ مصر ۱۳۲۶ھ میں چھپ چکی ہے۔

۱۰۵- **سیرۃ النبویۃ**۔ حافظ علاء الدین مغلطائی (م ۷۶۱ھ) علامہ مغلطائی آٹھویں صدی کے اُن ارباب قلم میں ہیں جن کی تصنیفات کی تعداد سو سے زائد بیان کیجاتی ہے، وہ حدیث کے زبردست حافظ ہونے کے ساتھ علم الانساب میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتے تھے. ان کی طویل ترین شرح بخاری "التلویح" کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے، زیر نظر کتاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی مشہور ترین کتاب ہے، مصر سے طبع ہو چکی ہے۔

۱۰۶- **کتاب الروح**۔ علامہ ابن قیم الجوزی (م ۷۵۱ھ) اس میں مردوں اور زندوں کی روحوں پر بحث کی گئی ہے، اور کتاب و سنت، آثار صحابہ و اقوال علماء کی روشنی میں ان مباحث کو بڑی تحقیق و تفصیل سے واضح کیا گیا ہے، پوری کتاب میں اکیس مسائل اور ہر مسئلہ متعدد فصلوں میں ہے، امام بقاعی (م ۸۸۵ھ) نے اس کا خطبہ الحاقیہ لکھا ہے، تعداد صفحات ۴۴۸۔ ۱۳۲۴ھ میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی۔

۱۰۷- **طیبۃ النشر فی القرآت العشر**۔ علامہ شمس الدین الجزری (م ۸۳۳ھ) فن قرأت کی منظوم کتاب ہے، ائمہ عشرہ کی قرأت جن جن راویوں اور طریقوں سے منقول ہے، اس میں ان رواۃ اور طرق کے متعلق پوری تفصیل درج ہے، سنہ تصنیف ۷۹۹ھ۔ تعداد صفحات ۱۸۴۔ علامہ جزری بالخصوص علوم قرآن میں بہت بلند مقام رکھتے تھے، ان فنون میں ان کی بکثرت منظوم اور نثری تالیفات مشہور و متداول ہیں: مذکورہ بالا کتاب کے علاوہ ان کی بعض تالیفات یہ ہیں: الحصن الحصین۔ اسنی المطالب الکاشف اور المختار فی فقہ الشافعی۔

۱۰۸- **لقطۃ العجلان**۔ شیخ بدر الدین ابو عبداللہ محمد بن بہادر الزرکشی (م ۷۹۴ھ) یہ اصول، فقہ، حکمت اور منطق کی کتاب ہے، جمال الدین القاسمی کی شرح کے ساتھ ۱۰۰ صفحات پر

۱۳۲۷ھ میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ تثقیف اللسان نام کی مصنف کی ایک اور تالیف بھی ہے۔ جو مصر سے ۱۳۳۲ھ میں چھپی۔

۱۰۹۔ **صبح الاعشیٰ**۔ احمد بن علی القلقشندی (م ۸۲۱ھ)۔ اگرچہ اس کتاب کا سنہ تالیف ۸۱۴ھ ہے، لیکن مصنف کی پیدائش ۷۵۶ھ میں ہوئی، اس لیے اغلب ہے کہ چودہ[۱۴] جلدوں اور ہزاروں صفحات پر مشتمل اس عظیم تصنیف کی داغ بیل آٹھویں صدی کے اواخر میں پڑ چکی ہو۔

قلقشندی اپنے عہد کے ادیبوں کے امام شمار ہوتے تھے۔ ان کی یہ گرانقدر تصنیف معلومات کی وسعت میں ایک کتب خانہ اور انسائیکلوپیڈیا سے کم نہیں ہے، اس میں مصنف نے تاریخ، جغرافیہ، سیاست، ادب، شعر وسخن، علوم اسلامی، اجتماعی علوم، حکومتوں کی تفصیلات، معاشرتی مرقعے، ملکی انتظامات کے قدیم وجدید طریقے، غرض ہر علم وفن اور تمام اصناف ادب کے متعلق معلومات کو جمع کر دیا ہے، حاجی خلیفہ کا بیان ہے

لایغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا ذکرھا — انھوں نے ہر چھوٹی بڑی چیز کو اس میں ذکر کر دیا ہے۔

اس کے ابتدائی تین حصے ۱۹۱۳ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے شائع ہوئے تھے، کامل ۱۴ ضخیم جلدوں کی اشاعت کا سہرا دار الکتب المصریہ کے سر ہے، جس نے ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۰ء تک کے عرصہ میں سب کو زیور طبع سے آراستہ کیا، آخری جلد کے آغاز میں کتاب کی تعریف اور مصنف کے حالات میں استاذ عبد الرسول ابراہیم کے قلم سے ایک مقدمہ بھی شامل ہے۔

۱۱۰۔ **تحفۃ النظار فی غرائب الامصار**۔ ابن بطوطہ مراکشی (م ۷۷۷ھ) یہ عام طور سے سفرنامہ ابن بطوطہ کے نام سے مشہور ہے۔ دلچسپ اور گوناگوں معلومات کا خزانہ

ہونے کے باعث متعدد دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں، اردو میں بھی اب تک کئی ترجمے کیے جا چکے ہیں، جن میں رئیس احمد جعفری کا سلیس وشگفتہ ترجمہ (شائع کردہ نفیس اکیڈمی لاہور) خصوصیت سے لائق ذکر ہے۔

۱۱۱۔ **الرسائل الکبریٰ**۔ محمد بن ابراہیم بن عباد النفزی (م ۷۹۳ھ) یہ تصوف کے دقیق مسائل کے بارے میں مختلف مکاتیب کا مجموعہ ہے، فاس (مراکش) سے ۱۳۲۰ھ میں شائع ہوئی، اس کے علاوہ مؤلف کی ایک کتاب "غیث المواہب العلمیۃ" اور بھی ہے، جو شرح النفزی علی ابن السکندری کے نام سے مشہور ہے، سطور بالا میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔

۱۱۲۔ **الروض الفائق فی المواعظ الرقائق**۔ شیخ حریفیش (م ۸۰۱ھ) مصنف کا پورا نام ابو مدین شعیب عبد اللہ بن سعد ہے، اپنے وقت کے مشہور زاہد، صوفی اور واعظ تھے، تصوف ولغت میں بلند مقام رکھتے تھے، اس لیے مرجع خلائق تھے، زیر نظر کتاب ان ہی کے افادات، ملفوظات، خطبات اور اصلاحی حکایات کا مجموعہ ہے، مصر سے اس کے متعدد اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔[۱]

(باقی)

---

[۱] اس جائزہ کی ترتیب میں جن مصادر وماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے، ان کے نام یہ ہیں:- معجم المطبوعات، کشف الظنون، فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر، فہرست رضا لائبریری رام پور، برٹش میوزیم کیٹلاگ، فہرست مخطوطات کتب خانہ دار العلوم دیوبند۔

تلخیص و تبصرہ

یمن کا تاریخی اور پُر رونق شہر

تعز

تعز یمن کا ایک خوبصورت شہر ہے جو سبزہ زاروں سے ڈھکے ہوئے کوہ صبر کے دامن میں سطح سمندر سے بارہ سو کیلومیٹر کی بلندی پر آباد ہے، اور یہ اپنی قدرتی خوبصورتی کے لحاظ سے گویا جنت کا نمونہ ہے،

یہاں کے آثار قدیمہ سے ایوبی سلاطین اور بنی رسول کی یادیں وابستہ ہیں، توران شاہ کا قلعہ قاہرہ اور بنی رسول کی بنوائی ہوئی دو قدیم مسجدیں مظفر اور اشرفیہ اُن کے عہد زریں کی یادگار ہیں تعز ایک زمانہ تک سلاطین بنی رسول کا پایۂ تخت بھی رہا ہے، جن کے دور کی کہانیاں یہاں اب تک سُنی اور سُنائی جاتی ہیں، شوقین حکمران داؤد ابن یوسف نے اسی تعز کی وادی میں، بنا قصر معتلی تعمیر کرایا تھا، جو اپنی خوبصورتی اور یکتائی کے لحاظ سے عجائب خانہ تھا، اس کی چھتوں اور شہتیروں میں سونے اور چاندی کی مینا کاری کی گئی تھی، اور قسم قسم کے خوبصورت حیوانوں اور پرندوں کے مجسمے بنائے گئے تھے، جن کے منہ سے چشمہ کا پانی گرتا تھا، اب بھی یہ شہر اپنی خوبصورتی اور دلکشی میں بے مثال اور سیاحوں کی دلچسپیوں کا مرکز بنا ہوا ہے،

تعز کی آبادی چالیس ہزار بتائی جاتی ہے، جن میں زیادہ تر کاشتکار ہیں، کچھ ملازم

اور اہل پیشہ بھی ہیں، جو اگر صنعا اور دوسرے شہروں اور ملکوں میں رہتے ہیں، اس لئے شہر کے رقبہ کے اعتبار سے یہاں کی آبادی گنجان نہیں ہے، اور ہر طرف کھلی ہوئی فضا پائی جاتی ہے، سڑکیں کشادہ عمارتیں خوبصورت اور پختہ ہیں،

تعز کا معاشرہ پورے یمن خصوصاً صنعاء سے بہت مختلف ہے، یہاں کے لوگوں کے مزاج میں نرمی شرافت اور دینداری ہے، اور دور حاضر کی ترقیوں کے باوجود اپنی قومی خصوصیات کو اب تک باقی رکھے ہوئے ہیں، ان کی عورتیں عموماً پردہ نشین، جفاکش، محنتی، اور پورے خانگی امور کی محافظ ہوتی ہیں،

تعز ایسے علاقہ میں آباد ہے، جہاں وادیاں بہت ہیں، ان میں کاشت کی بڑی صلاحیت ہوتی ہے، ان وادیوں کے نام اُن کی محبوبیت اور افادیت کی بنا پر بڑے خوبصورت رکھے گئے ہیں، مثلاً وادی المجنة، (پیاری وادی) وادی العسل (شہدوں والی وادی) وادی الوادم (سدا بہار وادی) وادی عصیفرہ (پھولوں والی وادی) وغیرہ، چشمے بھی متعدد ہیں، جن سے سطح زمین سیراب ہوتی ہے، ایسے کھیتوں اور باغوں میں پورے سال کاشت ہوتی ہے، جہاں تک چشموں کا پانی نہیں پہنچتا، وہاں گہرے کنوئیں ہیں، اس سلسلہ میں یمنی حکومت مسلسل کوششیں کر رہی ہے، جگہ جگہ سائنٹفک طریقہ پر پانی کی تلاش جاری ہے،

۹۵ فیصدی کھیت اور باغات ایسے ہیں، جو صرف بارش اور کنوؤں سے سیراب ہوتے ہیں، یہاں گرمیوں کے موسم میں بکثرت بارش ہوتی ہے، اور کھیت لہلہا اٹھتے ہیں، سردیوں میں بھی تھوڑی بہت بارش ہوتی ہے، جو بحر روم کے بھٹکے ہوئے مانسونوں کا نتیجہ ہوتی ہے،

یہاں کی زراعت میں قات نامی پودوں پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے، اس کے

بڑے بڑے باغات لگائے گئے ہیں، قات کے ایک درخت سے عموماً ایک ہزار ریال سالانہ آمدنی ہوتی ہے، ان باغات کی قیمت کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے، وہ باغات زیادہ قیمتی ہیں، جن میں چشموں کا پانی پہنچتا ہے، حال ہی میں تعز سے کوہ صبر کے دیہاتوں تک پانچ کلیلومیٹر لمبی سڑک بن رہی تھی، لیکن دو کلیلومیٹر کے بعد اس کے کام کو اس لئے روک دینا پڑا، کہ راستے میں قات کے باغات پڑتے تھے، اور کاشت کار کسی صورت میں ان باغات سے دست کش ہونے پر رضامند نہیں ہیں،

پورے یمن خصوصاً تعز کی شہری زندگی میں قات کے استعمال کی مہلک عادت سرایت کر گئی ہے، اور اس کا استعمال زندگی کا جزو لاینفک بن گیا ہے، بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس سے اجتناب کرتے ہیں، یہ اپنے اثر کے لحاظ سے کونین اور تاڑی وغیرہ سے مشابہت رکھتا ہے، اس کے استعمال کے وہی اثرات ہیں، جو افیون کے ہیں، اس کا استعمال دوپہر کے بعد کیا جاتا ہے، جس کے اثر سے لوگ اتنے مست ہو جاتے ہیں، کہ کوئی کام نہیں کرتے.

تعز کی یہ زرخیز وادیاں قہوہ کی کاشت کے لئے بھی بہت موزوں ثابت ہوئی ہیں، اب تک ڈھائی سو ایکڑ زمین پر قہوہ کے باغات لگائے جا چکے ہیں، جن کے بڑے اچھے نتائج نکلے ہیں، اور امید ہے کہ بہت جلد دوسرے شہروں اور ملکوں کے لئے یہاں سے قہوہ برآمد ہونے لگے گا، جس کا تعز کی معیشت پر اچھا اثر پڑے گا،

قات اور قہوہ کے علاوہ جو، گیہوں، کشمکش، آخروٹ اور بعض دوسرے پھلوں اور ترکاریوں کی بھی پیداوار سے جو صنعاء، اور ملک کے دوسرے حصوں میں جاتی ہیں، قات کی تجارت دوسرے ملکوں سے اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی ہے، اور صنعاء کے بعد قات

کے لئے یہ دوسری سب سے بڑی منڈی سمجھی جاتی ہے،

تعز کے جائے وقوع نے قدرتی طور پر اس کو تجارت کی بہت بڑی منڈی بنا دیا ہے، جس سے اس شہر میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے، دار الحکومت صنعاء سے تقریباً ڈھائی سو کلیلومیٹر لمبی سڑک بن چکی ہے، جس پر ہر وقت تجارتی سامان کے نقل و حمل اور مسافروں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، دوسری سڑک تعز سے مخا کے بندرگاہ تک گئی ہے، جہاں باب المندب ہوتے ہوئے خلیج عدن کے لئے جانے والے جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں، اور ان کا تجارتی سامان تعز کی منڈیوں میں فروخت ہوتا ہے، تیسری شاہراہ حدیدہ کے بندرگاہ سے بیت الفقیہ اور زبید ہوتی ہوئی تعز تک آئی ہے، ان تین سمتوں سے تجارتی سامان کی آمد و رفت کی سہولتوں اور یہاں کی پیداوار نے اس شہر کو تجارتی مرکزیت حاصل ہو گئی ہے،

اس کا اثر کوہستانی باشندوں کی معیشت پر بہت اچھا پڑا ہے، ان کی بستیاں کوہ صبر کی چوٹیوں پر پھیلی ہوئی ہیں، یہ لوگ عموماً قات اور دوسرے پھلوں کی کاشت کرتے ہیں، جن کو ان کی عورتیں تعز کے بازاروں میں فروخت کرتی ہیں،

یمن نے آزادی کے بعد تعلیم کے فروغ پر بڑی توجہ دی ہے، جگہ جگہ مدارس و مکاتب قائم کئے گئے ہیں، یمن کے تمام شہروں میں تعز کو تعلیم کے میدان میں سبقت حاصل ہے، صنعاء میں بھی تعلیم کا وہ اوسط نہیں ہے، جو تعز میں ہے، تازہ اعداد و شمار کے لحاظ سے صرف تعز کے اسکولوں میں چار ہزار طلبہ اور تقریباً ایک ہزار طالبات زیر تعلیم ہیں،

تعز کی اکثر درسگاہیں آثار قدیمہ کی عمارتوں میں قائم ہیں، تعلیم کی بڑھتی ہوئی رفتار اور تعلیم گاہوں میں عمارتوں کی کمی کی وجہ سے کچھ سرکاری دفاتر اور عمارتیں خالی کر دی گئی ہیں

اور جہاں بھی موزوں جگہیں مل گئی ہیں تعلیم کے لئے خاص کر دی گئی ہیں، یمن کی حکومت نے
تعز کی تعلیمی مہم کے لئے جو سالانہ رقم منظور کی ہے، وہ اس بڑے شہر کے لئے بالکل ناکافی ہے
حال ہی میں یمن کے وزیر تعلیم و تربیت احمد جابر عفیف نے تعلیمی مہم کے سلسلہ میں ممالک اسلامیہ
کا ایک کامیاب دورہ کیا، جس کے نتائج اچھے نکلے ہیں،

کچھ ہی سال ہوئے سویٹ حکومت کی مدد سے تعز کے کنارے پُر فضا مقام پر مڈل اسکول
تک کی تعلیم کے لئے بڑی عالیشان عمارت بنائی گئی ہے، جس میں قریب سات سو طلبہ زیر تعلیم
ہیں، اور ان کی جسمانی تربیت کے لئے کھیل وغیرہ کے انتظامات بھی ہیں،

تعلیم نسواں کی طرف بھی بڑی توجہ دی جا رہی ہے، گذشتہ سال صرف جونیر اسکولوں
میں طالبات کی تعداد چار سو تھی، جو اس سال ترقی کر کے نو سو تک پہونچ گئی ہے، اس ترقی
کو دیکھ کر اسلامی ممالک نے بھی امداد کا ہاتھ بڑھایا ہے، اور کویت کی حکومت نے ایک بڑی
رقم صرف کر کے تعز میں مدرسۃ البنات کی عالیشان عمارت تعمیر کرائی ہے، جس میں ہائی اسکول
تک کی تعلیم کا انتظام ہے،

اس کے باوجود آبادی کے لحاظ سے اس تعلیم کو عام نہیں کہا جا سکتا، کوہستانی علاقوں
کی اکثر بستیاں اب تک مکاتب سے خالی ہیں، اور یہاں کے بچوں کو ابتدائی تعلیم کے لئے بھی
اپنے علاقوں سے تعز آنا پڑتا ہے، اور وہ شہر میں قیام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، جس میں اُن
کو پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، وزیر تعلیم و تربیت اپنے حالیہ انٹرویو میں ان خرابیوں
کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ

کوہستانی علاقوں کے والدین اپنے بچوں کو تعلیم کے مصارف دے کر اپنے شہری اعزہ
کے پاس بھیج دیتے ہیں، لیکن طلبہ راستہ ہی میں سب صرف کر دیتے ہیں، اور خالی ہاتھ تعز

کے مدارس میں پہونچتے ہیں، اور محکمہ تعلیمات کو اُن کا کفیل بننا پڑتا ہے، اور ان پر محکمہ کا اوسطاً
فی طالب علم ساٹھ ریال خرچ ہوتا ہے، ایسے طلبہ عموماً اپنے اعزہ کے یہاں رہتے ہیں، جن
کی پوری تربیت بھی نہیں ہو پاتی، کم و بیش سات سو ایسے طلبہ ہیں جو ہوسٹلوں میں رہ
کر زیر تعلیم ہیں،

تعز کے مدارس و مکاتب میں سب سے بڑی کمی لائق اساتذہ کی ہے، یہاں کے اکثر
اسکولوں میں عراق اور سوریہ کے اساتذہ تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور کم تنخواہوں
کے باوجود اس ملک کی تعلیمی ترقی میں پوری محنت و توجہ شریک و سہیم ہیں،

تعز کوئی صنعتی شہر نہیں ہے، یہاں کی معاشیات کا دار و مدار زراعت و تجارت
پر ہے، اس کے باوجود اس نے چند سالوں میں جو غیر معمولی ترقی کی ہے، وہ دنیا کے غیر متمدن
شہروں کے لئے مثال ہے، یہاں کے اختراعی اور جدت پسند رجحانات نے آزادی کے بعد
ترقی کے دروازے کھول دیے ہیں، اب تعز کی وہ صورت نہیں، جو آج سے دس
سال پہلے تھی، اب خرابات کی جگہ کشادہ سڑکیں، دو طرفہ عالیشان دوکانیں، جگہ
جگہ تفریح گاہیں اور پارک ہیں، بازاروں میں چہل پہل، اور سڑکیں رواں
دواں ہیں،

ادھر چند سالوں میں تعز اپنی قدیم آبادی سے بہت بڑھ چکا ہے، اور روز
بروز بڑھتا جا رہا ہے، نئی آبادیوں میں اعلیٰ پیمانہ کے دو ہوٹل تعمیر ہو چکے ہیں، جو ۶۵
کمروں پر مشتمل ہیں، اور اس میں بیک وقت تین سو مسافروں کے قیام کی
گنجائش ہے،

تعز کے اکثر باشندے متعدد بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں، اب تک کوئی

سرکاری اسپتال نہیں تھا، جس میں غریبوں کے لئے مفت علاج کی سہولتیں فراہم ہوں، گذشتہ چند سالوں میں بڑے پیمانہ پر ایک شفاخانہ تیار ہوگیا ہے، جس سے کسی حد تک تعز کی ضرورت پوری ہو رہی ہے، مگر تھیٹر اور جراحی کے آلات نہ ہونے کی وجہ سے مریضوں کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ترقی یافتہ ممالک سے ریڈ کراس ریلیف کمیٹیاں وقتاً فوقتاً آتی رہتی ہیں۔

تعز سے کوئی بیس کلیلو میٹر کے فاصلہ پر ہوائی اڈہ بھی قائم ہوگیا ہے، جس پر اب تک ساٹھ لاکھ ریال خرچ ہو چکے ہیں، اور ابھی کام جاری ہے، امید ہے بہت جلد مکمل ہو جائے گا۔

ہماری فلسفیانہ کتابیں

برکلے اور اُس کا فلسفہ (مولانا عبدالباری ندوی) قیمت: [illegible]

مبادی علم انسانی: ” ” قیمت

مکالمات برکلے: (مولانا عبدالماجد دریابادی) ” ”

فہم انسانی: ڈیوڈ ہیوم کی مشہور کتاب ”ہیومن انسٹنڈنگ“ کا ترجمہ اور اس کا فلسفہ بحث، قیمت ”

افکارِ عصریہ سائنس نے جنگ عظیم کے بعد جو ترقیاں کی ہیں، یہ کتاب ان تمام ترقیوں کا خلاصہ ہے۔ (نیا اڈیشن)

”منیجر“

ادبیات

آہ روشؔ صدیقی

از

جناب یحییٰ اعظمی

اے روشؔ اے نغز گفتار وخوش آدابِ غزل
اے روشؔ اے زمزمہ پرواز ”محرابِ غزل“

تیری رحلت سے حزیں ہے روئے شادابِ غزل
ایک تیرے دم سے باقی تھی تب و تابِ غزل

نظم گوئی پر بھی قدرت تھی تجھے یکساں، مگر
سازِ فطرت تیرا تھا بیتاب مضرابِ غزل

تجھ پر جب ہوتے تھے اسرارِ حقیقت بے حجاب
تیرے خامہ سے اُبلتی تھی مئے نابِ غزل

عارضِ تازہ ترا احسن تغزل کی بہار
چہرۂ زیبا ترا رخسارِ شادابِ غزل

وہ روشؔ ہر ہر روش پر جسکی شعریت نثار
تھی جبیں پر جس کی رقصاں موجِ بیتابِ غزل

فکر و دانش کو دیے شایستہ اسلوبِ نظر
دورِ حاضر کو سکھائے جس نے آدابِ غزل

ہر نفس جس کا تھا سرشارِ مئے حسنِ ازل
ہر نظر جس کی تھی مستِ بادۂ نابِ غزل

عصرِ حاضر سے جدا تھا جس کا اندازِ بیاں
منفرد تھا جس کا طرزِ فکر در بابِ غزل

اصغرؔ و اقبالؔ اتی تھے : فانیؔ و جگرؔ
اٹھ گیا وہ بھی کہ تھا منجملہ اربابِ غزل

بزمِ خاصانِ ادب میں ہے صفِ ماتم بپا
رو رہے ہیں آہ اس کو آج اصحابِ غزل

عندلیبِ شعر سے خالی گلستاں ہوگیا
رخصت اب بزمِ غزل سے وہ غزلخواں ہوگیا

مطبوعات جدیدہ

مقدمہ اوجز المسالک الی مؤطا مالک — مرتبہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی، متوسط تقطیع، کاغذ عمدہ، خوبصورت ٹائپ، صفحات ۲۱۲

قیمت تحریر نہیں، پتے: (۱) مکتبہ یحیویہ مظاہر العلوم، سہارن پور (۲) مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (۳) مکتبہ صولتیہ مکہ مکرمہ (سعودی عربیہ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی اطال اللہ بقاءہ نے حدیث کی کئی مشہور و متداول کتابوں کے شروح و تعلیقات تحریر فرمائے ہیں، ان میں مؤطا امام مالک کی شرح اوجز المسالک زیادہ اہم اور مشہور ہے، یہ چھ جلدوں پر مشتمل اور متقدمین کے شروح و اقوال کا خلاصہ ہے، اس کے شروع میں فاضل مصنف نے ایک مبسوط، جامع اور محققانہ مقدمہ بھی لکھا ہے جو بجائے خود ایک مستقل کتاب ہے، زیر نظر کتاب مقدمہ کا تیسرا اڈیشن ہے جو نئے اضافوں اور [illegible] تنقیحات کے بعد نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کی گئی ہے، یہ سات ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں علم حدیث کی تعریف، غرض و غایت، اس کی فضیلت و اہمیت اور جمع و کتابت حدیث کی تاریخ وغیرہ کا ذکر ہے، دوسرے میں امام دار الہجرۃ کے فضائل و مناقب اور مؤطا امام مالک کا مبسوط تعارف اور اس کے خصوصیات وغیرہ پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، تیسرے باب میں اس شرح کے خصوصیات و مآخذ اور شارح سے مصنف تک کے سلسلۂ اسانید کا تذکرہ اور اس سلسلہ کے جملہ شیوخ اور خود شارح کا مختصر ترجمہ درج ہے، چوتھے باب میں شارح کے نقل و روایت حدیث کے اسانید کے مرجع یعنی امام ابو حنیفہؒ کے فضائل و کمالات اور فن حدیث میں ان کے درجہ و مرتبہ اور حنفی مذہب کے اصول و بنیادوں کا ذکر ہے، پانچواں باب مصطلحات حدیث کی توضیح و تشریح پر مشتمل ہے، چھٹے اور ساتویں باب میں ان اصول و آداب کا ذکر ہے جن کو محدث اور طالب فن کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔

یہ مقدمہ کے مباحث کا اجمالی تعارف ہے، اس کی اصلی قدر و قیمت اور گوناگوں معلومات اور مصنف کے علمی تبحر اور فاضلانہ ژرف نگاہی کا پورا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے، شروع میں مولانا ابو الحسن علی ندوی کے قلم سے ایک مقدمہ بھی ہے، اس میں ہندوستان میں علم حدیث کی مختصر سرگذشت، مصنف کے حالات اور علم حدیث سے ان کے تعلق و اشتغال وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

مآثر محمود شاہی ۔ ترتیب و تلخیص ڈاکٹر نور الحسن انصاری، متوسط تقطیع، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۰۸، مجلد مع گرد پوش، قیمت تحریر نہیں، پتہ شعبۂ نشر و اشاعت انڈو پرشین سوسائٹی دہلی۔

مالوہ کے حکمران خاندان کا مشہور فرمانروا سلطان محمود خلجی (م ۸۷۳ھ) علم و ادب نوازی کے لیے بھی بڑی شہرت رکھتا تھا، مآثر محمود شاہی جو اس عہد کی اہم تاریخ ہے، اسی کے ایماء سے اور اس کی نگرانی میں علی بن محمود کرمانی نے لکھی تھی، اس میں سلطان کے حالات، امور مملکت اور کارناموں کی تفصیل کے ضمن میں مالوہ کے بعض دوسرے خلجی حکمرانوں کا بھی ذکر آگیا ہے۔

دلی یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کے استاذ ڈاکٹر نور الحسن صاحب نے جن کو فارسی ادبیات کا اچھا ذوق بھی ہے، اور تاریخ ہند سے دلچسپی بھی، اس کا ملخص آکسفورڈ، کیمبرج اور جرمنی کے قلمی نسخوں کی مدد سے شائع کیا ہے، آخر میں اسماء و مقامات کا اشاریہ اور شروع میں

مختصر مقدمہ ہے، اس کی ترتیب و اشاعت پر لائق مرتب تاریخ ہند کے طلبہ کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

فہرست مخطوطات عربی جلد دوم
فہرست مخطوطات اردو جلد اول

مرتبہ مولانا امتیاز علی عرشی، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ صفحات باترتیب ۴۸۹ و ۴۴۴ مجلد، قیمت [illegible] روپے ۲۵، ناشر رضا لائبریری ٹرسٹ رام پور، یو۔پی

یہ رضا لائبریری رام پور کے عربی مخطوطات کی فہرست کی دوسری اور اردو مخطوطات کی فہرست کی پہلی جلد ہے، جو حکومت ہند کی وزارت تعلیمات کی امداد سے شائع کی گئی ہیں، عربی فہرست میں اذکار و ادعیہ، کلام و عقائد اور ردو مناظرہ کی تقریباً گیارہ سو اور اردو فہرست میں مذہب، معقولات اور تاریخ و تذکرہ کی دو سو سے زیادہ قلمی کتابوں کا ذکر ہے، عربی مخطوطات کی فہرست انگریزی میں مختصر دی گئی ہے، اس میں تصنیف و مصنف کے نام، سنین وفات، مخطوط کے زمانہ، شان خط، سائز صفحات، سطروں کی تعداد اور مکمل و ناقص ہونے کی تصریح کی گئی ہے، اردو فہرست مفصل ہے، اس میں تصنیف و مصنف کا کسی قدر تفصیلی تعارف اور ان کے متعلق ضروری اور مفید معلومات دیے گئے ہیں، آخر میں مصنفین اور کتابوں کے ناموں کے اعتبار سے دو فہرستیں ہیں، فنون کے اعتبار سے کوئی فہرست نہیں ہے، مقدمہ میں لائبریری کے گذشتہ حالات کا ذکر ہے، دونوں فہرستوں میں فن وار کتابوں کا تذکرہ ہے، مزید سہولت کے لیے ہر فن میں شیعہ، سنی اور دوسرے فرقوں کی کتابوں کا علٰحدہ علٰحدہ ذکر ہے، ترتیب و تدوین کی خوبی کے لئے مرتب کا نام پوری ضمانت ہے، ان کی اشاعت سے علمی و تحقیقی کام کرنے والوں کو بڑی مدد ملے گی۔

"ض"

جلد ۱۰۷۔ ماہ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۷۱ء۔ عدد ۳

مضامین

مقالات

ادبیات